"قل سیروا فی الارض فانظروا"

سفرنامہ جاپان

مسلمان سیاح علیؒ احمد جرجاوی ایڈیٹر اخبار "الارشاد" قاہرہ

سفر جاپان کے حالات چشم دید واقعات اور چند روز میں

ارہ ۱۲ سو معزز جاپانیوں کے مشرف باسلام ہونیکا بیان

نہایت دلچسپ کتاب ہے

میاں صاحب پھلواروی سلمہ نے اردو میں ترجمہ کیا اور

شاد اللہ صاحب مالک حمیدیہ ایجنسی اخبار وطن نے نظر ثانی کرا

اہتمام سے حمیدیہ سٹیم پریس لاہور میں چھپوایا اور شائع کیا

بار اول رجسٹری شدہ قیمت فی جلد ۔

گذارش

جاپان کی بے مثل اور سریع ترقی اور اسکی تازہ جنگی افضیلت نے تمام دنیا میں اس ع
ملک کا نام آفتاب کی طرح روشن کردیا۔ سچ تو یہ ہے کہ اب جاپان اسم بامسمیٰ "مہر رخ
کی مملکت" ہے۔ روشن دماغ اور ترقی یافتہ قوموں کو جہاں دنیا کے ہر معاملہ
وخوض کرنے کی خواہش رہتی ہے۔ وہیں مذہب بھی ایک خاص قابل توجہ و لائق تحقیق چیز
جاتا ہے۔ جاپانی قوم نے بھی اسکی طرف توجہ کی اور یورپ کے اخباروں میں یہ خبر گشت
لگی کہ جاپان نے ایک عام مذہبی کانفرنس تحقیق مذاہب کے لیے منعقد کرنے کا سامان
پھر اس کانفرنس کے انعقاد کا چرچا بھی یورپ ہی کے جرائد میں ہوا اور معلوم ہوا کہ کا
میں دین اسلام کی پسندیدگی غالب رہی۔ ان خبروں سے مسلمانوں میں ایک قسم کی
کا پیدا ہونا قدرتی اور طبعی امر تھا۔ ہندوستان میں شرکت کانفرنس کی کھچڑی پکنے لگی
بعض عالی حوصلہ جاپان بھی جا پہنچے۔ مگر انھوں نے چشم دید واقعات کی بنیاد پر وہ یا
کیں۔ جیسے انعقاد کانفرنس کی خبریں افواہ ثابت ہوئیں اور بات رفت و گذشت ہو گئی

لیکن مصر کے مسلمانوں کا جوش زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ اور وہاں کے ایک فاضل اخبا
شیخ علی احمد جرجاوی۔ ہفتہ وار اخبار "الارشاد" کے مالک و ایڈیٹر کمر ہمت باندھکر تنہا او
ہی خرچ سے جاپان کو روانہ ہو گئے۔ انھوں نے واپسی کے بعد جو سفرنامہ لکھا ہے۔ اسکا ض
اور دلچسپ حصہ اردو خوان اصحاب کے لئے ترجمہ کرادینا مناسب معلوم ہوا۔ اس کے مطالعہ
ممالک کے حالات کے علاوہ جاپان میں اشاعت اسلام کے امکان پر بھی روشنی پڑتی
اور بہت سے دلپذیر اسلامی عقائد کے عمدہ پیرایہ میں بیان کرنے کی تعلیم ملتی ہے۔

اس سفرنامہ کے مترجم مولوی حسن میاں صاحب سلمہ حضرت قاری شاہ سلیمان
قادری پھلواروی مدظلہ العالی کے خلف اکبر ہیں۔ اور چونکہ مترجم ممدوح کے لئے یا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سفرنامۂ جاپان

علامہ علی احمد جرجاوی مصری ایڈیٹر اخبار الارشاد نے جاپان میں تحقیق مذاہب کی کانفرنس ہونے کا غلغلہ سنکر خود وہاں جانے اور بذات خاص معاملہ کی حقیقت کا پتہ لگانے پر کمر باندھی۔ وہ مصر سے سویس آئے اور یہاں سے جہاز پر سوار ہو کر ینبوع۔ جدہ عدن اور بمبئی ہوتے ہوئے کولمبو اور سنگاپور ہو کر ہانگ کانگ میں آئے وہ لکھتے ہیں کہ شہر ہانگ کانگ ملک چین کا مشہور بندرگاہ اور تجارتی مرکز ہے سنگاپور سے یہاں آتے ہوئے راستہ میں۔ سیگن اور "توران" دو شہروں کی ہم نے اور بھی سیر کی تھی۔ لیکن اُن کے حالات کا بیان فضول طوالت کے خیال سے نظر انداز کیا جاتا ہے بس صرف اتنا کہدینا کافی ہے کہ یہ خوب آباد اور پُررونق تھے۔ سیگن کے باشندے خوش خلقی اور مسافر نوازی میں بے مثل پائے گئے۔ جب ہم ہانگ کانگ میں پہنچے اور اُسکی رونق و آبادی کا معائنہ کیا۔ تو ہماری آنکھیں کھل گئیں۔ اور ہمیں معلوم ہوا کہ خداوند کریم نے عمل اور صنعت و حرفت کو کیا مرتبہ عطا فرمایا ہے اور کہ دنیا کی ترقی بھی کے دم سے وابستہ ہے۔

یہ شہر قدیم اور تاریخی بستی ہے۔ ملک چین کے ایک جزیرہ میں دریا
دہانہ پر واقع۔ اور اپنی بنیاد پڑنے کے وقت سے اب تک بہت سے رنگ
ہے۔ سنہ ۱۸۴۲ء میں اسپر انگریزوں کا تسلط ہوا۔ اور اب یہ اسی نامور قوم
چین میں تجارت کی سب سے بڑی منڈی اور حسن تعمیر کا اچھا نمونہ ہے۔ شاندار عمارتیں
ہر طرف منتہائے بصر تک ممتد نظر آتا ہے۔ سڑکیں اور گلیاں بازار اور مناسب
اور خوشنما تناسب سے بنی ہیں۔ اگر میں یہ کہوں کہ ابتک اس شان اور وضع
سے نہیں گزرا تھا۔ تو بالکل صحیح ہوگا۔ عمارتیں اسقدر بلند بنی ہیں۔ کہ دور سے ۱۸۵۵ء میں
کو شہر کی تعمیر کسی پہاڑ کی چوٹی یا بلند پہاڑی پر معلوم ہوتی ہے۔ یوں تو میں نے دورِ خانہ جنگی ۱۸۵۵ء
بہت سی [illegible] دیکھیں۔ اور اُن پر غور کیا لیکن سب سے بڑی اور قابل بیان [illegible] تباہی کی باعث
اور اجتماعی حالت ہے۔ علی الخصوص مسلمانان چین کی سوشیل اور معاشرتی [illegible] کا خطرہ قوی کردیا
ہے جس کے بہت کچھ واقعی اور تفصیلی حالات مجھے ایک فاضل چینی مسلمان کمانڈر ریان حال
سلیمان صاحب کی زبانی معلوم ہوئے۔ جنہوں نے میری مشن کی اعانت
ساتھ جاپان جانیکی زحمت بھی گوارا فرمائی اور اس طرح ایک اہم دینی اور ملی خ
ہاتھ بٹایا۔

ظاہری وضع و قطع لباس و بود و باش میں چین کے تمام آدمی ایکساں
بدھ مذہب کے پابند مسلمان، عیسائی، یہودی، اور ہر ملت و مشرب کے لوگ
اور ممتاز نہیں کیئے جا سکتے۔ جب تک کہ بوقت ملاقات وہ خود ہی اپنے
خبر دیں۔ اسی واسطے مسلمانوں کی کوئی امتیازی حیثیت غیروں میں نہیں ہے
باہمی اتفاق نہایت اعلےٰ درجہ کا ہے۔ انہیں ہمدردی اور مبادلہ شفقت
قومی ہے۔ دین و دنیا کے تمام کاموں میں وہ متحدہ قوت سے کام لیتے ہیں
امتیاز یہ بھی ہے کہ بہ نسبت دیگر باشندگان ملک کے چینی مسلمان مخل امن عا
سے قطعاً الگ اور دور رہتے ہیں۔ کسی دینی معاملہ میں باہم اختلاف پڑے
رجوع لاتے اور دنیاوی امور کا فیصلہ حکومت کی عدالتوں سے حاصل کر

مسلمانان چین اپنے تئیں دیگر ملکی باشندوں سے اشرف واعلےٰ خیال کرتے اور اسبات
پر فخر کرتے ہیں کہ خدا نے انہیں ایمان و توحید کی نعمت سے سرفراز کیا ہے - یہی وجہ ہے کہ
وہ معاملات اور میل جول میں اپنے ابنائے دین کے علاوہ اور کسی قوم وملت کے آدمی پر کبھی
بھروسہ نہیں کرتے اور اگر کچھ میل جول غیر ملت کے لوگوں سے رکھتے ہیں - تو کیتھلک مذہب
کے مسیحیوں سے چین میں مسلمانوں کی تعداد کثیر ہے - مگر ملک کے مختلف حصوں میں بکھری
ہوئی - اسواسطے وہ کوئی متحدہ جمہوری طاقت یا مستقل مملکت قائم نہیں کرسکتے - حکومت
مسلما نا اور اسکے احکام کو سچے دل سے ماننا انکا شیوہ ہے - پابندی قوانین میں چین
لاتے ہیں دین کے آدمیوں سے بہتر اور برتر پائے جاتے ہیں - اُن کو کبھی یہ خیال نہیں
کرتے ہیں یا شہنشاہ غیر مسلم ہے - بس اُن کی تمامتر خواہش یہ رہتی ہے کہ انہیں آرام
زندگی بسر کرنے اور اپنے کاروبار میں مصروف رہنے کا موقعہ ملنا چاہیئے - بہت
بچے بوڑھے پروٹسٹنٹ عیسائی اور خاص چین کے بدھ مذہب والے مسلمانوں کیساتھ
سب اعزاز
دلی عداوت رکھتے اور اُن کو بُری طرح ستاتے ہیں - اس عداوت کا سبب یہی ہے کہ وہ مسلمان ہیں
اور دین کی وجہ سے اسقدر جبر و تشدد و آزار سہتے - مگر چپ رہتے ہیں - اُن کی عبادت میں خلل اندازی
ہوتی ہے - اور وہ صبر کے ساتھ اس ناروا آزاد کو برداشت کرجاتے ہیں - یا جب زیادہ تنگ
آگئے - تو اپنے دشمنوں سے "ہوئی ہوئی" کہتے ہیں - اس جملہ کے معنے میرے فاضل دوست
سید سلیمان چینی نے یہ بتائے کہ یوں تو اصل لغت میں یہ ایک مہمل کلمہ ہے - لیکن ہم مسلمان اس
سے اصطلاحی طور پر "باز آؤ" - "باز آؤ" کے معنے مراد لیتے ہیں مطلب یہ ہوتا ہے کہ اے دین حق
کے دشمنو اپنی حیوانیوں سے باز آؤ اور اسلام کی پیروی کرکے راہ نجات حاصل کرو -

چینی مسلمان نہایت اچھے دستکار ہیں - ملک چین زمانۂ قدیم سے آجتک ان کی صنعتوں
پر ناز کرتا چلا آتا ہے - اور مسلمان صناعوں کی بنائی ہوئی چیزیں اطراف جہاں میں جاتی ہیں -
زیادہ مشہور اونی اور ریشمی کپڑے اور دیگر اشیاء ہیں - دستکاری ہی کی وجہ سے چینی مسلمان
سرکاری ملازمت کے خواہاں نہیں ہوتے اور یہ ایک قابل تعریف بات ہے - چینی سر کے
بال بڑھاتے اور اُن کی چوٹیاں گوندھ کر لٹکاتے ہیں - اُن کی مونچھیں نیچی رہتی ہیں - اور

لبی ہوتی ہیں یہ وضع عام اہل ملک کی ہے اس میں بدھ مذہب والے اور مسلمان سب کو ایک نگاہ میں دیکھا جاتا ہے غیر مسلم عام چینی
مسلمانوں کو ہوئی ہوئی کہتے سنتے ہیں تو جواب میں ”تیسی“ کہتے ہیں جس کے معنے ہیں چوہا۔ مگر
مسلمان اُن کی اس جہالت کا خیال نہیں کرتے اور استخفاف کی نظر سے ہنس کر ٹال جاتے ہیں
ورنہ کہیں وہ بھی جواب ترکی بترکی دیں تو سرزمین چین قتل و شورش کا دنگل بن جاتے۔ اور
آئے دن وہاں دل ہلا دینے والے جھگڑے اور حادثے ہوتے رہیں اور قدیم زمانہ میں ایسا
ہو چکا ہے۔ چنانچہ سنہ ۱۸۲۸ء میں ”کشغر“ کی خونریز بغاوت جس نے جان و مال کا عظیم نقصان
کیا اور مملکت چین کو متزلزل کر ڈالا اسی بنا پر قائم ہوئی تھی۔ پھر دوسری بغاوت سنہ ۱۸۵۵ء میں
ہوئی جس نے چین کے مشہور صوبہ یونان کو بالکل برباد کر دیا۔ یہ شورش اور خانہ جنگی سنہ ۱۸۵۵ء
سے شروع ہو کر سنہ ۱۸۷۳ء میں فرو ہوئی۔ ایسے ہی ”کانسو“ کی بغاوت کئی سال تک تباہی کی باعث
رہ کر سنہ ۱۸۸۲ء میں مٹی۔ یہی بغاوتیں تھیں جنہوں نے یورپ میں جنگ عالمگیر کا خطرہ قوی کر دیا
تھا۔ اور ان کے نشانات چین کی سرزمین پر عیاں ہیں۔ شہر ”الشی“ کے کھنڈر [illegible] زبان حال
سے بتا رہے ہیں۔ کہ ہم قتل و بدامنی کی یادگار ہیں۔ ہمیں دیکھو اور تعصب ناحق مذہبی کی
خرابیوں کا علم حاصل کرو۔ ان بغاوتوں کے زمانہ میں چینی گورنمنٹ نے بخوف زیادتی فساد
مسلمانوں کو رات کے وقت گھر سے نکلنے کی ممانعت کر دی تھی۔ مگر وہ اس کے قبول کرنے
سے معذرت خواہ ہوئے اور باز نہ آئے۔ اسی زمانہ میں کیتھلک چرچ کے روحانی پیشوائوں
نے اپنے متبعین کو یہ حکم سنا دیا تھا۔ کہ اگر تم میں سے کوئی شخص مسلمانوں پر ظلم و ستم کریگا یا اُن کو
ضرر پہنچائیگا۔ تو وہ دائرہ ایمان سے خارج گنا جائیگا۔ اسلئے وہ مسلمانوں کے رفیق رہے
اور مسلمان بھی اُن سے حق دوستی نباہتے چلے آتے ہیں۔ سنہ ۱۹۰۰ء کی مشہور بغاوت ”بوکسر“
جس نے دول یورپ کو چین پر فوج کشی کرنے کا موقعہ دیا۔ اور تمام دول عظام بشرکت جاپان
ابن السماء کے ملک پر حملہ آور ہوئیں۔ اُن دنوں مسلمانوں نے ”بوکسر“ کے ساتھ دلی اور
زبانی ہمدردی ظاہر کی تھی۔ مگر اس طرح نہیں کہ ان کے شریک ہو گئے۔ اور بغاوت میں پہلو
بہ پہلو اُن کے ساتھ رہے ہوں۔ بلکہ اُن کی واجب شکایات کو بنظر انصاف قابل قبول خیال
کرتے تھے۔ ”بوکسرس“ نے مسلمانوں کو اپنا ہمخیال پاکر یہ کوشش بھی کی کہ مسلمان اُن کے ساتھ

مل جائیں۔ لیکن مسلمانوں نے ایسی شرکت سے صاف انکار کردیا۔ یورپ کے اکثر اہل قلم اور مصنفین مسلمانوں کو متعصب بتاتے ہیں۔ اور زور شور کے ساتھ یہ الزام مذہب اسلام کے سر تھوپتے ہیں۔ مگر چینی بغاوت بوکسر کی تاریخ اسبات کی زبردست شاہد ہے کہ مسلمانوں سے بڑھکر مسیحی قوم و مذہب کا سچا دوست دنیا میں کوئی نہیں۔ اور رواداری مذہب اسلام کا زرین اصول ہے اگرچہ بعض حالتوں میں اس محمود صفت کے باعث مسلمان سخت مادّی اور ادبی خسارہ بھی برداشت کر لیتے ہیں۔ لیکن اُن کے دین نے اُنمیں یہ ایک ایسی اعلےٰ روح ودیعت رکھی ہے کہ وہ اس سے کشمکش اور علیحدہ نہیں ہو سکتے۔ ہمارے اس بیان کو دعوےٰ بے دلیل کہا جائیگا۔ لیکن افسوس ہے کہ اختصار میں خلل آنیکا خیال ہمیں دلائل پیش کرنے سے روکتا اور اہل انصاف کو تاریخ کیجانب رجوع کرنے پر مائل بنا کر اصل مطلب پر آنے کی ہدایت کرتا ہے۔

بہرحال جسوقت مذکورۂ بالا حادثات چینی مسلمانوں اور بُت پرستوں کے مابین واقع ہوئے تھے۔ اُسوقت سربرآوردہ مسلمانوں نے کیتھولک مسیحی ملّت کے دینی پیشواؤں سے ملکر یہ قرارداد کی کہ کیتھولک مسیحی کوئی خاص علامت اختیار کرلیں۔ تاکہ وہ دوسرے فرقوں میں بآسانی ممتاز ہو سکیں۔ اور اُنہیں وہ صدمات نہ پہنچیں۔ جو بُت پرست چینیوں کو پہنچتے ہیں۔ اہل انصاف ناظرین! خدا لگتی کہنا۔ کیا یہ متعصب لوگوں کی باتیں ہیں؟ ہرگز نہیں۔ یہ کام اُسی قوم کا ہے۔ جسکا دین اُسے خلوص رکھنے والوں کے ساتھ شائستہ برتاؤ کرنیکا حکم دیتا ہے۔ دین اسلام۔ امن پسندی۔ غیرمسلموں کے ساتھ نیک سلوک۔ حرّیت اور عدالت کا دین ہے اور یہی دین ہر ایک دینی اور دنیاوی صلاح و فلاح کی اصل ہے اسلام مساوات کا دین ہے۔ اس نے دولتمند و فقیر۔ حقیر اور امیر۔ سب کو ہم رتبہ بنا دیا ہے دینی اعتبار سے کسی کو دوسرے پر امتیاز نہیں اور ہے تو خداترسی کی صفت میں ممتاز ہونے سے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ " خدا کے نزدیک عزت و حرمت اُسی کی زیادہ ہے جو اُس سے بہ نسبت دوسروں کے زیادہ ڈرتا ہو۔ مسلمانانِ چین عیسائیوں سے ایسا خلا ملا رکھتے ہیں اور اُن کی الفت میں سرگرم پائے جاتے ہیں تو اسی سے اندازہ کیا جا سکیگا

کہ وہ باہم کیسا اتحاد اور کسطرح کی ہمدردی رکھتے ہونگے۔ بلکہ یہ بھی معلوم ہوسکیگا۔ کہ اپنے اُن دیگر دینی بھائیوں کی نسبت اُن کے دلوں میں کیسی کچھ مہربانی بھری ہوگی جو روئے زمین کے اطراف میں منتشر ہیں۔ اُن کی یہ حالت اس صورت میں ہے۔ کہ وہ ایسے دینی مناسک نہیں بجالاتے جو مسلمانوں میں عام روابط کا احساس قوی کریں۔ مثلاً حج کہ اس رکن مذہب میں تمام دنیا کے مسلمانوں کا باہم ملنا جلنا اور قومی اجتماعی روابط کے شعور کو تقویت پہنچانا مضمر ہے۔ کاش وسائل سفر آسان ہوتے اور اطراف عالم کے آدمی بلاخطر مسافت طے کر کے اس دینی مجمع کو شاندار بنا سکتے۔ تو اسکا کیسا اچھا اثر پڑتا۔ پھر تو ہرسال متعدد مسلمانان چین حج و زیارت کے لئے حرمین آتے اور یہاں سے دینی احساس و شعور کو المضاعف بنا کر اپنے ملک میں واپس جاتے۔ اور اُسکا نتیجہ دنیائے اسلام کے حق میں مبارک نکلتا اور مسلمانوں میں قومی رابطہ کا احساس بہت کچھ ترقی کر جاتا۔

سنہ ۱۹۰۸ء کے حوادث کے بعد جلالتمآب خلیفۃ المسلمین یعنی سلطان المعظم دام ملکہ وقوت شوکتہ کو چینی مسلمانوں سے تعلقات روحانی قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا اور اُن کو خلافت اسلامیہ کے زیر سایہ لانا مدنظر بنا تو اپنے چیدہ معتمد علماء اور اہل قلم کا ایک ڈیپوٹیشن زیر ریاست "آدر پاشا" کے دسمبر سنہ ۱۹۰۸ء میں دار السعادۃ سے خفیہ طور پر چین کیطرف ارسال کر دیا۔ اس وفد کی روانگی اسقدر بصیغۂ راز رہی۔ کہ مابین ہمایوں کے لوگوں تک کو اسکا پتا نہ تھا۔ جاہل اور ناعاقبت اندیش لوگوں نے اس وفد کو ناکام ٹھہرایا۔ لیکن میرا مطالعہ بتا رہا ہے کہ وفد نے بے نظیر کامیابی حاصل کی۔ وفد نے سرزمین چین کا دورہ کیا۔ اور شنگھائی کو اپنا مرکز قرار دیا۔ ترکی وفد کے ارکان نے بہت جلد یہ بات معلوم کر لی کہ مسلمانان چین میں عربی زبان جاننے والوں کا وجود عنقا صفت ہے۔ اور ترکی زبان جاننے والے بھی علیٰ ہذا القیاس معدوم ہیں۔ پس انھوں نے باب عالی میں اسبات کی رپورٹ کی۔ اور خلافت مآب نے فوراً ایک زبردست فاضل جسے عربی و ترکی زبانوں اور دینی علوم کے علاوہ فرنچ زبان میں بھی مہارت تامہ تھی۔ اور وہ بعض چینی باشندوں سے واقف تھا۔ شنگھائی میں ارسال کر دیا۔ علاوہ ازیں وفد نے اپنے دورہ کے اثناء میں مسلمانان چین

کو عربی زبان کی ابتدائی تعلیم خود بھی دینی شروع کر دی تھی۔ اور اُنہیں دینِ اسلام کی حقیقت اور حفاظت کتاب اللہ کی تلقین کر کے قرآن کا پڑھنا اور اُسکے احکام پر عمل کرنا سکھا دیا تھا۔ اور گو اب تک اُن میں قرآن کریم کے اعلےٰ مطالب سمجھنے والے پیدا نہیں ہوئے ہیں لیکن وفد کی یہ کامیابی کیا کم ہے کہ اُس نے چین کے مسلمانوں میں قرآن شریف پر توجہ کرنے کا مذاق پیدا کر دیا۔ اور اس طرح یہ وفد اہل چین کے دلوں میں اپنا قابل تعریف اثر چھوڑ کر بامراد واپس آیا۔

مسلمانان چین عیدین کے دن نہایت اظہار مسرّت کرتے اور پوری زندہ دلی کو کام میں لاتے ہیں مگر نہ مذموم طریقہ سے بلکہ پسندیدہ اور جائز ذریعہ سے تفریح و شادمانی کا حظ حاصل کرتے ہیں۔ ماہ رمضان المبارک میں مجال کیا ہے کہ کوئی چینی مسلمان روزہ خوار نظر آجائے بچّے بوڑھے جوان اور ادھیڑ مرد اور عورتیں سب ایسے امور سے محترز رہتے ہیں۔ جو دین کے اعزاز میں بٹّہ لگائیں۔ یہاں تک کہ شبہ کی باتوں سے بھی دور بھاگتے ہیں۔ ماہ رمضان کو وہ اپنی زبان میں "بانتشای" کہتے ہیں۔ اور خیر و برکت کا مہینہ تصوّر کرتے ہیں لیکن جہاں اُنمیں مذہب کی ایسی پابندی اور اُسکا اتنا اعزاز ہے وہیں بعض بدعتیں بھی رائج ہیں جنکو ترک کرنا چاہیئے۔ مثلاً جب کوئی چینی مسلمان گورنمنٹ کے کسی عہدہ یا منصب پر مقرر ہوتا ہے۔ تو وہ "کانفوشیوس" دیوتا کے مندر میں جا کر بت پرستوں کیطرح اُسکے سامنے جھکتا اور اُسکی تعظیم بجا لاتا ہے۔

افسوس اور کمال افسوس اس بات کا ہے کہ پچاس ملین چینی مسلمانوں میں ایسی روشن خیال علماء کا وجود تک نہیں جو اُن کو حقیقی اسلامی تعلیم دیں۔ اور دین حنیف کے معارف حقّہ اُنکو سکھائیں۔ یہ ایک ناقابل معافی گناہ ہے کہ مسلمان علماء اس بات کو جان بوجھ کر پھر بھی خاموش بیٹھے رہیں اور مذہبی وفد تیار کر کے چین کے مسلمانوں میں صحیح دینی عقائد کی اشاعت کرنے تشریف نہ لیجائیں۔ اور خصوصاً ازہر شریف کے علماء جن کی طرف تمام اسلامی دنیا کی نظریں اٹھتی ہیں۔ اُن کو سب سے پہلے یہ خدمت انجام دینی چاہیئے بہرحال

چین کے مسلمانوں میں ایسے آدمیوں کا شمار ایک ہاتھ ہی کی انگلیوں پر تمام ہو جاتا ہے۔ جو اسلام کی حقیقت سے باخبر اور اسکے معارف کے ماہر کامل ہوں اور منجملہ ایسے حضرات کے ایک صاحب سید سلیمان چینی بھی ہیں۔ جو سفر جاپان میں میرے ہمدم و رفیق رہے۔

میں نے اس فاضل بزرگ سے دریافت کیا۔ کہ آپنے جاپان میں اشاعت اسلام کیلئے کیوں سفر اختیار کیا ہے۔ بجالیکہ خود چین کے مسلمانوں کو راہ راست پر لانا آپکا مقصد اوّل ہونا چاہیئے ؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ "جاپان کو دعوت اسلام دینے کی اسوقت زیادہ ضرورت ہے اور میں وہاں سے واپسی کے بعد چین کے مسلمانوں کی اصلاح کا بھی کام انجام دونگا"۔

چین میں زراعت کو نہایت مہتم بالشان امر سمجھا جاتا ہے۔ خود شہنشاہ سال میں ایک دن بڑی دھوم کے ساتھ قلبہ رانی کرتا ہے۔ وہاں ہر قسم کا اناج۔ سبزی۔ ترکاریاں اور پھل بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ زمین سیر حاصل ہے۔ اور شاداب اور باربرداری اور کھیتی باڑی میں کام دینے والے جانور وہاں بہ نسبت تمام دنیا کے زیادہ طاقتور اور تنومند ہوتے ہیں۔

اہل چین کاہل اور پست ہمّت پائے جاتے ہیں جسکی وجہ افیون کھانے کی قبیح عادت ہے۔ مگر اب شہنشاہ چین نے حکماً اسکی کاشت ملک میں بند کردی ہے۔ اور بیرونجات سے بھی اسکی درآمد روکنے میں کوشاں ہے جسکا نفع بہت جلد نمایاں ہوگا۔ اور چین والے اب ترقی کیطرف متوجہ ہو چلے ہیں۔ انمیں استعداد ہے اور امید ہے کہ کچھ عرصہ میں وہ اچھے ہو جائینگے۔ کیونکہ آخر جاپانیوں کی ترقی اُن کے لئے نمونہ ہے اور چینی و جاپانی ایک ہی نسل وخون سے ہیں۔

"میں اور میرے دونوں رفیق (فاضل تونسی اور جناب سید سلیمان چینی) ہانگ کانگ سے جہاز پر روانہ ہو کر نو دن کے بعد ٹوکوہاما پہنچے۔ یہ بہت بڑا بندرگاہ ہے۔ اور ہمارا جہاز لنگرگاہ میں نہایت آہستہ چال چلتا ہوا ساحل کے قریب آلگا۔

یوکوہاما

یہ بحری شہر جو بہ "ہونڈ" اسی علاقہ جزیرہ "نیپن" میں ہے۔ خلیج ٹوکیو کے شمالی غربی کنارہ پر واقع ہے۔ یہ شہر صوبہ "کنڈیکانافا" کا دار الحکومت ہے۔ گذشتہ زمانہ میں یہاں کے باشندے زیادہ تر ماہی گیر تھے۔ پھر ۱۸۵۹ء سے یہ مقام کچھ کچھ میدان ترقی میں قدم بڑھانے لگا۔ اور تجارتی و جنگی موقع ہونے کے باعث آخر کار "کنڈیکانافا" کا پورا قائم مقام بنگیا۔

اس شہر نے حوادث زمانہ کے بہتیرے جھونکے سہے ہیں۔ انہیں سے مشہور حادثہ ۱۸۶۶ء کی آتشزدگی ہے جس کے بعد یہ شہر دوبارہ نئے سر سے بنایا گیا۔ یہاں کے اصلی باشندوں کے سوا یہاں چینی اور یورپین قومیں بھی آباد ہیں۔ اور ہر قوم خاص خاص جگہوں پر (دوسرے سے علیحدہ) بستی ہے۔ یہاں رومن کیتھولک اور پروٹسٹانٹ کے بہتیرے گرجے اور کنیسے اور بہت سے شفا خانے ہیں۔ یہ جاپان کا پہلا شہر ہے۔ جہاں ۲۵ دسمبر ۱۸۶۹ء میں تار برقی بین لگائی گئی۔ اور ۱۸۷۰ء میں یہاں سے ٹوکیو تک تار برقی جاری ہوئی اور ۱۸۷۲ء میں یہاں سے ٹوکیو تک ریلوے لائن تعمیر کیگئی۔

یوکوہاما میں ہمارے جہاز نے لنگر ڈالا تو ہم مع الخیر پہنچنے پر خدا کا شکر بجالائے یہاں پہنچکر جناب فاضل مخلص محمود رومی کی ملاقات ہوئی جو ہمارا انتظار ہی کر رہے تھے۔ کیونکہ مولوی سید سلیمان جینی نے انکو خط کے ذریعہ سے مطلع کر دیا تھا۔ کہ

"میں جاپان آتا ہوں۔ آپ یوکوہاما میں مجھ سے ملیں"

سید سلیمان صاحب کے ذریعہ سے میرا فاضل موصوف کیساتھ تعارف ہوا۔ وہ ایک فاضل کامل عاقل اور مہذب شخص ہیں اور وہ ساری خوبیاں جو انسان کو لوگوں کی نظروں میں محبوب اور ذی وقعت و با اعتبار بنا دیتی ہیں۔ انمیں موجود ہیں

الادارۃ البحریہ

ہم لوگ ایک ہوٹل میں جو دفتر محکمہ بحری کے قریب تھا۔ فروکش ہوئے اور دو دن وہاں آرام لیکر تکان سفر اتارا۔

یہ شہر تمدن، جدید طرز معاشرت اور مہذب زندگانی کے ساز و سامان میں بہت ترقی

کر گیا ہے۔ بجلی کی روشنیاں شب کے وقت تمام شہر کو جگمگاتی رہتی ہیں، سڑکیں وسیع اور
چوڑی ہیں اور اُنپر پتھر کی دبیز پلیٹوں کا سنگین فرش بنایا گیا ہے۔ یہاں سردی ایسی سخت
پڑتی ہے۔ کہ جسکا تحمل وہی ہو سکتا ہے جو مدتوں اس سرزمین میں رہا۔ اور یہاں کی سخت سردی
کے برداشت کرنیکا عادی ہو گیا ہو تیسرے دن ہم نے ہوکوڈا کو چھوڑا اور ریل ٹرین پر سوار
ہو کر ٹوکیو کو روانہ ہوئے۔

ٹوکیو

جاپان کا پایۂ تخت ہے۔ ہوکوڈا سے تقریباً ۹۰۰ کیلومیٹر کی مسافت پر ہے (= ۱۸۰ میل)
یعنی ہوائی جہاز سے آدھ گھنٹہ کی راہ ہے۔ یہ شہر جزیرہ "ہنشین" میں واقع ہے۔ اِس کو ملک
جاپان کا دارالسلطنت قرار دیئے ہوئے تھوڑا ہی زمانہ گذرا ہے۔ یہاں پر بہتیرے حوادث
وانقلابات ہوئے ہیں جنکا شمار کسی مؤرخ سے بھی شاید ممکن نہ ہو چہ جائیکہ میرا جیسا مسافر
اُن کو بیان کر سکے۔ لہذا میں صرف بعض اہم واقعات کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں جو ناظرین
باتمکین کے لئے فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

سنہ ۱۴۵۷ء میں یہاں ایک جنگجو اور طاقتور سردار آیا۔ اُسکا نام "قطہ دوکسم" تھا۔ اور اُس
نے ایک مضبوط قلعہ بنایا۔ اُس وقت تک ٹوکیو سارے ملک جاپان کا دارالحکومت نہ تھا بلکہ
شہر کیوٹو بادشاہ کا پایۂ تخت تھا۔ اور ٹوکیو خاندان شگن کا مرکز تھا۔ جو کہ شہنشاہ سے سلطنت
وحکومت کے بارے میں جھگڑ رہے تھے۔ اور خاندان شگن میکاڈو کے نام سے حکمرانی اور
فرمانروائی کرتا تھا۔ اور اسی وجہ سے جاپان میں دو دارالسلطنت تھے۔ ایک مشرقی یعنی کیوٹو
جو میکاڈو کا دوسرا مغربی یعنی ٹوکیو جو شگین کا دارالحکومت تھا۔ "ٹوکیو" اس مقام کا نیا نام ہے
پرانے زمانہ میں یہ شہر "یدو" کہلاتا تھا۔ مگر جب سے یہ تمام ملک جاپان کا پایۂ تخت قرار دیا گیا۔ اس
وقت سے اسکا ٹوکیو نام رکھا گیا ہے۔ لفظ ٹوکیو کے معنی ہیں "ملک مشرقی کا پایۂ تخت"۔

یہاں چند مرتبہ آتش زدگیاں ہوئیں اور بارہا نئے سرے سے شہر کی تعمیر کی نوبت
آئی۔ زلزلے یہاں بکثرت آتے تھے۔ ایکبار ایسا سخت زلزلہ آیا کہ قریباً ایک لاکھ مکانات

اوس نے مسمار کر دئے اور بہت جانیں تلف ہوئیں۔

یہاں قدیم یادگاروں کی کثرت ہے جنکی عمارتیں خوبصورت اور قابل دید ہیں۔ اُن سے قدیم جاپانیوں کی معماری و صناعی میں مہارت ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ وسط شہر میں ایک پل ہے جو آبنوس سے بنا ہوا ہے۔ اور الشمس المشرقہ (مہر درخشاں) کے نام سے موسوم ہے۔ اور قصر شاہی و محل سلطانی سے شاہی عظمت و ہیبت نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ اسی کے قریب دیدایوس کے محلوں اور عمارتوں کا سلسلہ ہے۔ ویدایوس جاپان کا ایک بڑا بہادر اور جری خاندان تھا۔ اور اُس کے افراد بہادری و جوانمردی میں مشہور تھے۔ مگر اب ان مکانات میں سرکاری محکموں کے دفاتر ہیں۔ ان کے علاوہ عبادتگاہوں اور پرانے مندروں کے آثار بھی ملتے ہیں۔ عبادت خانوں میں "فتنزوت" "دوکان فہانش" اور "اماجونل" اور "شنو بیت شوکونشا" اور "شیبیہ" مشہور معبد ہیں۔ خاندان شوگن کا مقبرہ "شیبیہ" میں ہے۔ شگن کا گھرانا "توجاوا" خاندان کی نسل سے ہے۔ ٹوکیو میں ایک اور مشہور قصر زیکوان نامی بھی ہے۔ یہ قدیم زمانہ میں خاندان شوگن کے بعض اکابر کا گرمائی محل بود و باش تھا۔ اور اسمیں بھی بہتیرے آثار قدیمہ پائے جاتے ہیں۔ ٹوکیو کے اکثر مکانات کی چھتیں بید کی لکڑی سے پاٹی جاتی ہیں۔ ٹوکیو کے گرد و نواح میں سیرگاہیں اور آبادیاں بھی ہیں۔ جہاں بڑے بڑے عبادتخانے ہیں۔ اور جن کو مصر میں شہر قاہرہ کے مضافات المطریہ اور القبتہ سے مشابہ کہا جا سکتا ہے۔ اور جو تمدن اور شائستگی میں کافی حصہ لے چکی ہیں جیسے مقام "کتشی" ٹوکیو کے اُتر جانب جنوبی غربی گوشہ میں واقع ہے اسکے بعد "سیروا" نامی بستی کا نمبر ہے اسمیں بھی بہت کچھ قدیم آثار موجود ہیں۔ اور اگر ہم یہاں کی ترقی پر نظر کرتے ہیں تو یہ خیال ہوتا ہے کہ جاپان جیسی (ترقی یافتہ) قوم کے پاس ایک بہت بڑا کتب خانہ ہونا چاہئے۔ جیسا کہ ہر تعلیم یافتہ قوم اور ترقی یافتہ ملک میں ہوتا ہے لیکن یہاں صرف ایک کتبخانہ ہے جسمیں کل دو لاکھ جلد کتابیں ہیں۔

جب ہم ٹوکیو میں پہنچے تو سید سلیمان چینی اور حاجی مخلص محمود روسی ہمارے ساتھ تھے جن سے ہمیں بہت سے مفید معلومات حاصل ہوئے۔ کیونکہ محمود روسی کو اس قوم کی رسم و رواج

سے پوری معرفت اور ان کے عادات و اخلاق سے آگاہی حاصل تھی جن سے ہم بالکل ناآشنا تھے۔

ہم لوگ بابیتیو بازار کے ایک ہوٹل میں ٹھہرے۔ سفر کی پریشانی اور راستہ کے تکان نے ہمارے تمام جوڑ بند ڈھیلے کر دئے تھے اور ضعف حد سے بڑھ گیا تھا خصوصاً بحری سفر کی مشقتوں کا ہم لوگوں پر بہت اثر تھا۔ تمام رات ہم نہایت غافل ہو کر سوئے۔ اور دوسرا دن بھی آرام لینے میں بسر کیا۔ تیسرے دن ہم شہر اور اسکے اطراف و جوانب میں سیر و سیاحت کے لئے نکلے۔

میں نے بلاد شمس مشرقیہ کے پایہ تخت (ٹوکیو) میں جو کچھ دیکھا اُسکی نسبت مذکورۂ بالا حالات سے زیادہ اور کیا بیان کر سکتا ہوں۔ بلکہ یہ بات میری طاقت سے باہر ہے کہ یہاں کے تمدن کاروبار تجارت مال و دولت اور بازاروں کی خوبی اور انتظام کو (پورے طور پر) بیان کر سکوں۔ ہاں ایک تعریف کرنے والا جو کچھ یہاں کی تعریف کر سکتا ہے وہ یہ ہے۔ کہ تمدن یہاں شروع شباب اور اُٹھتی جوانی پر ہے۔ اور اگر کاش یہاں سردی کی بہت شدت نہ ہوتی تو یہ جگہ بلحاظ خوشنمائی اور خوبی وغیرہ کے مشرقی دنیا کی جنت شمار کیجاتی۔ آبادی اس شہر کی قریب ستر۱۷ہ اٹھارہ۱۸ لاکھ کے ہے۔ میں نے یہاں یورپین امریکن ہندی اور چینی سیاحوں کو دیکھا جنکی تعداد ہر سال بڑھتی رہتی ہے سنہ ۱۹۰۲ء میں ان لوگوں کی تعداد ۷۶۰۹ تھی سنہ ۱۹۰۳ء میں ۷۶۱۵ ہوئی سنہ ۱۹۰۵ء میں ۱۲۵۳۰ تک پہنچی اور سنہ گذشتہ میں ان سیاحوں کی (جو مختلف ممالک سے یہاں آکر جمع ہوئے) تعداد ۳۴۷۲۳ تک پہنچ گئی تھی۔

یوروپین قوم کی بڑی جماعت (اور جگہوں کیطرح) یہاں بھی پہنچکر ویسے ہی تمام ملک میں پھیل جاتی جیسا کہ اُن کا تمدن یہاں پھیل گیا ہے مگر اُن کو یہاں ویسے ذرائع رزق اور وسائل حصول مال و دولت نصیب نہیں ہو سکتے۔ جیسے کہ مصر وغیرہ میں حاصل ہیں کیونکہ جاپانیوں نے مغربی تمدن سے بھلی اور اچھی باتوں کو چن لیا ہے اور اُسپر عامل و کاربند ہیں۔ اسلئے وہ خوب سمجھ گئے ہیں کہ کوئی زندہ قوم اپنے ملک کی دولت و ثروت کسی غیر قوم کے لئے وقف نہیں کر سکتی اور اپنے ملک کا مال و متاع دوسروں کے لئے

نہیں چھوڑ سکتی ✣

مختصر تاریخ جاپان

مؤرخین حتی کہ خود جاپانیوں کے تاریخ داں اصحاب اس ملک کی تاریخ اور قوم جاپانی کی ابتدا اور اصل کے بارہ میں مختلف الرائے ہیں بعضوں کا قول ہے کہ یہ لوگ نسل ترک کے ہیں اور قوم مغل کا ایک بڑا خاندان اس ملک میں آکر آباد ہوا اور یہاں اُن کے توالد و تناسل کا سلسلہ بڑھا جس سے جاپانیوں کی یہ قوم ترتیب پا گئی۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اہل جاپان "مالینز ہین" کی نسل سے ہیں جنہوں نے قدیم زمانہ میں جزائر جاپان وغیرہ پر قبضہ کیا اور وہیں آباد ہو گئے تھے۔ چند اشخاص کا خیال ہے کہ نہیں یہ بھی چینی نسل ہی سے ہیں اور اس قول کی بنیاد یہی ہے کہ چینی اور جاپانی رنگ و روپ میں یکساں نظر آتے ہیں۔ لیکن حقیقت اس کے خلاف ہے۔ بلکہ یہ لوگ (جاپانی) خود مستقل ایک قوم اور جنس انسانی کی ایک خاص نوع ہیں۔

اہل جاپان خود اپنی نسبت از راہ فخر و مباہات یہ کہتے ہیں کہ ہم جنس بشری سے نہیں ہیں۔ بلکہ آسمان کیطرف اپنے کو منسوب کرتے اور وہاں سے اپنا سلسلہ بتاتے ہیں۔ گویا انسان جسکو خدا نے سب مخلوقات سے افضل و اشرف بنایا ہے۔ وہ بھی ان کی قوم سے کم رتبہ ہے اور انکا یہ اعتقاد ہے کہ جنس بشری کا موجد قوائے طبیعیہ ہیں۔

وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ انہیں سے جو سب سے پہلی (آسمان سے) زمین پر اُترا اُسکا پہلا قدم جزیرہ "کیوشیو" پر پڑا اُس نے وہاں کے وحشی گروہوں جیسے قبائل "آئینوس" وغیرہ کو وہاں سے نکال باہر کیا۔ بدیں وجہ اُن وحشیوں اور نو وارد آسمانی جاپانیوں میں لڑائی ٹھن گئی اور سات سو برس تک یہ جنگ جاری رہی۔ مگر آخر کار اُنہیں سر تسلیم خم کرنا پڑا اور جاپان کی اطاعت اُس وحشی گروہ نے قبول کر لی۔

اہل جاپان اپنے اس اعتقاد کے ساتھ کہ وہ بنی آدم نہیں ہیں۔ پھر یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ شہنشاہ حال (متسوھیتو) کا خاندان ان لوگوں میں سب سے اعلےٰ ذات کا ہے اور

اسی لئے میکاڈو اُن کے نزدیک بمنزلہ معبود کے ہیں۔

جاپانی قوم تیرھویں صدی عیسوی تک طرز معاشرت و زندگی میں بالکل سادگی کی فطرتی حالت پر تھی۔ پھر روز بروز تمدن میں ترقی کرتی گئی۔ اور کھانے پینے اور لباس و پوشاک میں طرح طرح کا تفنن پیدا ہوتا گیا۔ ورنہ اس سے پہلے تو وہ مچھلی اور چاول سے بہتر کوئی کھانا جانتے ہی نہ تھے۔ اور لباس بھی سادہ ہوتا تھا۔ آج بھی جاپانی مچھلی اور چاول کو بجان و دل پسند کرتے ہیں۔

اور اُن زمانوں میں (جبکہ اُن میں سادگی تھی) جاپانیوں کے گھر جنگلی لکڑیوں کے بنے ہوئے ہوتے تھے۔ لیکن آج یہ قوم میدان ترقی میں اور تہذیب و شائستگی میں بہت آگے قدم بڑھائے ہوئے ہے اور اس سے ہر طرح فیضیاب و کامیاب ہے۔

اٹھارھویں صدی عیسوی میں حکومت جاپان نے تعلیم و تعلم کے لئے اپنی قوم کو یورپ بھیجنا شروع کیا۔ اسی وجہ سے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ترقی تعلیم و تہذیب جاپان میں قریباً پچاس برس سے شروع ہوئی ہے۔

گذشتہ زمانوں میں اہل جاپان کوئی منضبط قانون نہیں رکھتے تھے اس لئے اجرائے احکام اور فیصلہ مقدمات کی خدمت بڑے بڑے خاندانوں مثل خاندان شوگن وغیرہ کے سرداروں کو سپرد تھی۔ یہ لوگ دیوانی و فوجداری کے مقدمات اور خصومات کو اپنی سمجھ اور عقل کے مطابق فیصل کیا کرتے تھے۔ لیکن اس وقت دیگر ترقی یافتہ قوموں کی طرح جاپان میں بھی آئینی حکومت اور پارلیمنٹ قائم ہے۔

جو شخص ایشیا کے مشرقی حصہ میں جزائر جاپان پر نظر ڈالیگا۔ اور پھر یورپ کے شمالی خطہ میں جزائر برطانیہ کو دیکھیگا۔ تو وہ بلحاظ شکل و صورت اور وضع و قطع کے دونوں جگہوں میں بہت کم فرق کریگا۔ اور شاید ان دونوں جگہوں کی آب ہوا کا یکساں ہونا ہی سبب ہے اسکا کہ دونوں سلطنتوں میں مستحکم معاہدے بھی ہو گئے ہیں۔

شہنشاہ میکاڈو کی مختصر سوانحعمری

شہنشاہ متسوھیتو، جاپانی شاہی خاندان کے چہدہویں شہنشاہ ہیں۔ یہ جلیل القدر بادشاہ ۳ فروری کو ۱۸۵۲ء میں پیدا ہوئے اور اب ان کی عمر ساٹھ برس کی ہے۔ جب وہ چھ سال کے ہوتے تو اُن کے والد امپریر کومی تنو نے اِن کی تعلیم کے لیے خاص معلم اور اعلے درجہ کے اُستادوں کو مقرر کیا۔ چنانچہ شاہ موصوف کی تعلیم کے ہر دَور میں ان کی اعلےٰ لیاقت اور ذکاوت و ذہانت ظاہر ہوتی تھی۔ جب ان کی عمر کے پندرہ سال پورے ہوئے۔ تو ان کی والد ماجد ۱۸۶۷ء میں فوت ہوگئے اور وہ اپنے آباؤ اجداد کی جگہ تخت نشین ہوئے۔ یہ شہنشاہ اسی سن میں بہتیرے علوم و فنون میں ماہر ہوگئے اور اُن علوم نے ان کو صاحب عقل سلیم و فہم مستقیم اور مہذب اور نیکدل بنا دیا۔ اور وہ کامل العقل اور جامع الفضائل شخص بن گئے۔ ان کی تہذیب و شائستگی کا بڑا سبب یہ ہوا کہ ان والد ماجد نے چند ادب و تہذیب سکھلانے والوں کو مقرر کیا تھا۔ جو صبح و شام اور ہر وقت اور ہر آن انکی مصاحب اور نگران رہتے تھے۔ جن کے معقول مروانہ اور ہمّت و تعلیم نے اُن کی عقل و فہم کو اور بھی دوبالا کر دیا۔ جب انہوں نے زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لی۔ تو ایسی بیداری اور استقلال اور اولوالعزمی اور قوم کی پشت پناہی اور اُسکی پوری نگہبانی سے کام لیا کہ بڑے بڑے مدبر جاپانیوں کی عقلیں دنگ ہوگئیں۔ اور وہ لوگ ان سے بہت خوش ہوئے اور ان کی ذات سے بہت کچھ اصلاح و ترقی کی امید وابستہ کی۔ سب سے پہلی بات اُن کی اخلاق فاضلہ سے یہ ظاہر ہوئی کہ انہوں نے اپنی رعایا پر غایت لطف و کرم کا اظہار کیا۔ جس کی وجہ سے اُن لوگوں کے دلوں میں بھی ان کی محبت اچھی طرح جم گئی۔ اور اب جاپان کا ہر صغیر و کبیر میکاڈو سے ایسی محبت کرتا ہے کہ گذشتہ زمانہ کے کسی بادشاہ یا شہنشاہ کے ساتھ جس نے ان سے پہلے سلطنت کی ہے۔ رعایا اس درجہ محبت نہیں کرتی تھی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اہل جاپان کی ترقی کا پہلا دور اُسی دن سے شروع ہوتا ہے جس دن کہ یہ شہنشاہ عالی سریر سلطنت پر جلوس فرما ہوئے۔ کیونکہ اُنہوں نے یوروپ کے تمدن پر ایک مدبرانہ نظر کی اور حکومت ہائے مغرب کی سیاست پر بمقابلہ اپنی رعایا کے غور کیا۔ اور بہت جلد اپنی سلطنت میں آئینی حکومت

کی بنیاد ڈالی اور پارلیمنٹ قائم کی - اپنے ملک میں علوم و فنون کے پھیلانے کی طرف پوری توجہ
سے کام لیا - اور قوم کو تحصیل علوم کی طرف متوجہ اور مستعد کیا - اُسوقت ملک امن کیحالت میں تھا
نہ کسی بیرونی مخا لفت سے چھیڑ چھاڑ تھی اور ملک میں کوئی اندرونی بغاوت تھی - جو قومی ترقی
کی مانع اور سدّراہ ہوتی - اُسپر طرّہ یہ تھی قوم کی طبعی استعداد اور فطری جوہر - جنسے وہ اس قدر سُرعت
اور تیزی سے جاپان میں علوم و فنون کے پھیل جانے میں اور ممد و معاون ہوگئی - کیونکہ جاپانی
قوم ذکاوت ذہانت اور بلند حوصلگی میں ممتاز ہے -

ایک امر میں میکاڈو (شاہ جاپان) نے اگلے اور پچھلے بادشاہوں کے بالکل خلاف کیا
ہے کہ وہ مصارف جیب خاص کے لئے سلطنت کے خزانہ سے کوئی فضول رقم یا اپنے لئے
بہت بڑی تنخواہ نہیں لیتے - کیونکہ اُن کو ذاتی عیش اور دولت کی خواہش نہیں -

بلکہ وہ خزانہ شاہی سے صرف اُسی قدر لیتے ہیں جتنا کہ اُن کے ذاتی مصارف اور اُن کے
خاص مصاحبوں اور خدام کی ضروریات کے لئے کافی ہوسکے -

ذاتی اخلاق اس شہنشاہ کے بالکل بے لوث ہیں - وہ عقل و دانش ' ذہانت و ذکاوت
کرم و شرافت ' اور خاکساری و وجاہت میں فرد ہیں اور ملکی معاملات اور مشکل مقدمات میں نہایت
گہری نظر رکھتے ہیں -

اگر اُن کی نسبت کہا جائے کہ وہ عدالت میں اپنے زمانہ کے نوشیروان قوم کی پشت پناہی
اور اُن کی جان و مال کی حفاظت میں اپنے وقت کے عمر بن الخطاب اور پاک نفسی میں اس
عہد کے عمر بن عبد العزیز ہیں - تو بالکل صحیح اور درست ہوگا -

اور وہ اس بات پر بھروسا کر کے بے فکر نہیں ہوگئے کہ ملک قانون کے ضوابط و احکام
اور پارلیمنٹ کے زیر اثر راہ ترقی پر چل رہا ہے - بلکہ وہ حاکموں اور عاملوں کے احوال کی بخوبی نگرانی
رکھتے ہیں - اور رعایا کے ہر چھوٹے بڑے معاملہ پر ویسی ہی نظر رکھتے ہیں جس طرح کہ ایک شفیق
باپ اپنی نیک اور صالح اولاد کا خبر گیراں رہتا ہے - ان میں ایک خاص بات یہ ہے - کہ جو
شخص ان کے دربار میں ایکبار بھی حاضر ہوتا ہے - وہاں سے واپسی میں اُن کی شیریں کلامی اور
لطف و مروت کا مداح بن جاتا ہے جسکی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی بزم اور اپنے دربار میں ہر شخص سے

اُس کے حسب حال اور اُس کے پیشے اور مشغلہ کا لحاظ رکھکر گفتگو کرتے ہیں۔ گویا وہ تاجروں کے ساتھ تاجر ہیں۔ کاشتکاروں کے ساتھ کاشتکار ہیں اور تدبیر و سیاست والے لوگوں کیساتھ سیاسی ہیں وعلیٰ ہذا القیاس۔

ان باتوں پر نظر کرکے یہ کہا جاسکتا ہے کہ میکاڈو انسانی افراد میں سے ایک ایسا فرد ہے جسکی ذات میں خدا نے تمام عالم اور عالم کے اوصاف کو جمع کردیا ہے ؎

ولیس علی اللّٰہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحدِ

یعنی خدا کے آگے یہ کچھ مشکل نہیں کہ وہ فرد واحد میں عالم کو جمع کردے۔ بادشاہ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اور ہونے چاہئیں۔ کیونکہ کوئی بادشاہ مالک تاج و تخت نہیں ہوسکتا جب تک کہ اُسکی اکیلی عقل تمام قوم کی مجموعی عقل کے برابر نہ ہو۔

اپنی رعایا کے ساتھ وہ ایسے اخلاق برتتے ہیں جس طرح مہربان باپ اپنے سعادتمند بیٹوں کے ساتھ پیش آتا ہے۔ انہوں نے اپنے دربار میں کسی کے لئے کوئی روک ٹوک نہیں رکھی ہے۔ ہر ایک شخص اپنی حاجت اُن کے پاس لیجا سکتا ہے۔ اور ہر فرد بشر اپنا مقدمہ ان کے یہاں پیش کرسکتا ہے۔ اور وہ فی الفور اُسپر توجہ فرماتے ہیں۔ اور اگر ممکن ہو اور کوئی صورت نظر آئی۔ تو اُسی وقت نہایت عادلانہ ومنصفانہ فیصلہ کردیتے ہیں ورنہ اسکو تشفی دیتے اور اس سے پکا وعدہ کرتے ہیں کہ ہیں فرصت کے وقت تمہارے مقدمہ پر غور کرکے فیصلہ کرونگا۔

یہ شہنشاہ اپنے محل کے ہر چھوٹے بڑے ندیم اور خادم کے حالات کی خبرگیری برابر کرتے رہتے ہیں۔ اگر کوئی ان میں سے بیمار پڑجاتا ہے تو جب تک وہ اسکو دیکھتے نہیں۔ اُنہیں چین نہیں آتا۔ اور ڈاکٹروں اور حکیموں کو ویسی ہی توجہ سے علاج کرنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ جیسی کہ اپنے خاص افرباد متعلقین کے لئے۔

جاپانیوں میں میکاڈو سے محبت رکھنے کی ایک ضرب المثل مشہور ہے۔ اور وہ یہ ہے "فضیلۃ الیابانی حبّ المیکاڈو" یعنی میکاڈو سے محبت کرنا۔ جاپانیوں کے لئے فضل وشرف ہے اور جسطرح کہ جاپانی قوم شہنشاہ موصوف پر فخر کرتی ہے۔ اسی طرح شاہ بھی ان

لوگوں سے محبت کرتے اور ان پر ناز کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اس مفاخرت کا اظہار سرکاری طور پر ملک میں ایک فرمان عام جاری کرنے سے کیا ہے۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ "اے زندہ قوم! اے میری ترقی کرنے والی قوم! جیسا کہ تو مجھ پر فخر و مباہات کرتی ہی ہیں بھی بمقابلہ تمام ترقی یافتہ قوموں کے تجھ پر فخر و ناز کرتا ہوں۔ اور میں تا امکان خود کوئی دقیقہ تیری آئینی اور ادبی اصلاح و ترقی کا اٹھا نہیں رکھتا۔ کیونکہ میں نے اپنے سارے قوائے ظاہری و باطنی کو اسی کام کے لئے وقف کر دیا ہے۔ اور میں ہر ایک ناصح کی نصیحت جسمیں وطن کا نفع ہو سنتا ہوں اور سننے کو تیار رہوں۔ اگر وہ نصیحت قابل قبول ہوگی تو میں ضرور اس کو قبول کرونگا اور اگر اسمیں کوئی غلط فہمی کی بات ہوگی تو میں اپنے عدم قبولیت کا سبب بھی بیان کر دونگا۔ پس اگر تم لوگ اسپر راضی ہو گئے۔ تو فبہا ورنہ ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کے لئے "کولو نوشبوس" کی شریعت ہے (کولو نوشبوس اہل جاپان کا ایک معبود ہے) تو اے میری قوم! تم تدبیر مملکت میں اطاعت و فرمانبرداری اور ایسے عمل کرنے سے جو جاپان کو تمام قوموں سے زیادہ ترقی یافتہ اور مہذب قوم بنا دیں میری اعانت کرو۔ اور میں ردِّ مظالم اور مظلوم و ظالم کے درمیان عدل و انصاف کرنے کا کفیل و ذمہ دار ہوں"۔

جس زمانہ میں روس سے جنگ چھڑی ہوئی تھی اُسوقت میکاڈو کو اپنی فوج کے ساتھ جو غمخواری و ہمدردی تھی۔ اُسکا ذکر انشاء اللہ تعالےٰ آگے چلکر ہوگا۔ جس سے اندازہ ہو سکیگا۔ کہ اس شہنشاہ کو اپنی رعایا کا کسقدر خیال اور لحاظ اور اُن کے ساتھ کیسی ہمدردی ہے بیشک وہ بادشاہ جس کے یہ اوصاف و حالات ہوں۔ اسی لائق ہے کہ سلطنت انگلستان اس سے معاہدہ اتحاد کرے۔ الغرض شہنشاہ متسوھیتو ہمارے مولی حضرت سلطان المعظم کے بعد تمام بادشاہوں سے زیادہ عقلمند و دوربین، مدبر اور سب سے زیادہ اپنی رعایا پر شفیق و مہربان ہیں۔

مبشرین اسلام کا اتفاق (باہمی)

جب ہم جاپان آئے۔ اور ٹوکیو پہنچے۔ تو ہمارے آنے کی خبر مبشرین اسلام اور مسیحی مشنریوں

کو پہنچے۔ اور ٹوکیو میں پہلے سے ہندوستانی مسلمانوں کے ایک عالم و فاضل فرد سید حسین عبدالمنعم جو ایک شریف النسب شخص ہیں موجود تھے۔ وہ ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم لوگوں کے جاپان پہنچنے پر بہت ہی مسرت اور خوشی ظاہر کی۔ انہوں نے بیان فرمایا کہ بعض عالی حوصلہ اور فیاض مسلمانان ہند کے خرچ سے وہ اس ملک میں تبلیغ اسلام کے لئے آئے ہیں۔ اور تقریباً پانچ ماہ سے یہاں ہیں۔ وہ اس بات کے آرزومند ہی تھے کہ کوئی شخص مسلمانوں میں سے یہاں اشاعت اسلام میں اُن کا مددگار اور قوت بازو ہوتا۔ مگر اب تک ایسا کوئی اُن کو نہ ملا۔ اسی وجہ سے اُن کو یہاں کچھ تکلیف اور پریشانی بھی جھیلنا پڑی جیسی کہ ہر ایسے عظیم الشان کام پر ہاتھ ڈالنے والے تنہا اور بے معین و مددگار شخص کو اُٹھانا پڑتی ہے۔ اب ہم لوگوں نے یہ اتفاق کر لیا کہ متفقہ کوشش سے ایک مضبوط ہاتھ بنکر کام کریں۔ اور ایک باضابطہ انجمن قائم کر لیں۔ سید عبدالمنعم کو ملا کر اب ہم پانچ آدمی ہو گئے اور سب متفق اور ایک رائے تھے۔

اس اتفاق و اتحاد کے بعد یہ رائے قرار پائی کہ ایک مکان رہنے کے لئے اور ایک مکان جلسہ و انجمن کے لئے ہونا چاہیئے۔ ہم لوگ کسی مناسب مکان کی تلاش میں تھے۔ کہ اسی اثنا میں جناب سید حسین عبدالمنعم کا ایک جاپانی سے تعارف ہو گیا جو ٹوکیو کے مشہور تاجر ہیں اور جنکا نام مسٹر حاجی نیف ہے۔ وہ نہایت فطین، عقلمند، پاک نفس اور ذی اخلاق شخص ہیں انہوں نے جناب مسٹر سید حسین سے دریافت کیا کہ آپ کس لئے مکان تلاش کرتے ہیں۔ مسٹر موصوف نے حال بیان کیا اور بتایا کہ ہم مسلمان ہیں۔ ہم ایک مکان یہاں قیام کرنے کے لئے اور ایک اپنی دینی مشن قایم کرنے کے لئے ڈھونڈھتے ہیں۔ کریم النفس مسٹر حاجی نیف نے سید حسین سے ہماری ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ سید موصوف کے ساتھ وہ ہمارے پاس آئے اور بخندہ پیشانی تمام ہم سے ملے اور اطمینان سے بیٹھنے کے بعد مجھ سے فرمائش کی کہ میں قواعد اسلام کی تشریح اور بیان کروں کہ دین اسلام کو تمام مذاہب پر کیونکر اور کیا فضیلت ہے۔ میں نے بیان کرنا شروع کیا۔ مسٹر سید حسین ہماری تقریر کا ترجمہ انگریزی زبان میں کرتے جاتے تھے۔ مسٹر حاجی نیف مذہب اسلام کی حقیقت سے واقف ہو گئے۔ تو اُن کے قلب میں حلاوت اسلام کا ذوق پیدا ہوا۔ اور وہ فوراً بول اٹھے

کہ مجھے اسوقت سے مسلمانوں کی جماعت میں سمجھو"۔ ہم لوگوں نے ان کو کلمۂ شہادت پڑھایا اور مبارکباد دی۔ کہ آپ اسوقت جہالت و شرک کی تاریکیوں سے نکل کر ایمان کی روشنی میں آ گئے۔ ہم سب کو اُن کے مشرف بہ اسلام ہونیکی غایت خوشی اور اس کامیابی پر بڑی مسرت حاصل ہوئی۔

مسٹر حاذنیف مشرف باسلام ہونیکے بعد ہم لوگوں سے فرمایا کہ بعض امور کی آپ کو حاجت اور جن باتوں کی ضرورت ہو مجھ سے بیان فرمائیں۔ میں فی الفور اسکی تعمیل کرونگا اور میں آپ اور آپ کی سوسائیٹی کے لئے ایک مکان جو میری ملک میں ہے حاضر کرتا ہوں۔ آپ صاحبان جب تک چاہیں اسمیں رہیں۔ میں آپ لوگوں سے کچھ کرایہ نہ لونگا۔ اور یہ کام میں اُس دین مقدس کے اکرام کے لئے کرتا ہوں جس سے مشرف ہوکر آج میں نے بہت بڑی سعادت حاصل کی ہے"۔

ہم نے اُن کے اس کرم فرمائی کا شکریہ ادا کیا۔ اور اُن کے لئے توفیق خیر کی دعا کی اب وہ اپنی اشد ضرورت کے وقتوں کے سوا ہر وقت ہم لوگوں کے رفیق رہنے لگے اور بہت جلد ایک مکان مہیا کیا۔ نیز ایک امریکن شخص کو ہمارے پاس خدمت گذاری کے لئے مقرر کیا۔ مکان ایک گول کوٹھی نہایت خوبصورت بنی ہوئی اور پر تکلف فرنیچر سے آراستہ تھی۔ ہم نے اسکو جلسہ ہائے انجمن کے لئے مقرر کیا اور اپنے قیام کے واسطے یانار بابیتو میں دوسرا مکان کرایہ پر لے لیا۔ اور جب تک ہم لوگ جاپان میں رہے۔ وہیں قیام رہا۔

کیفیت تبلیغ

ہم لوگوں نے انجمن تبلیغ کی نسبت پورا اتفاق کر لیا تو یہ رائے قرار پائی۔ کہ دیگر مشنریوں کیطرح ہمیں شہر بہ شہر پھرنیکی کوئی ضرورت نہیں۔ بلکہ ہم پایہ تخت (ٹوکیو) سے علیحدہ نہ ہوں۔ اور یہیں مقررہ مکان میں انجمن تبلیغ اسلام کا افتتاح کریں۔ اور ہر مذہب و ملت لوگوں کو اوس میں شریک ہونیکی صلائے عام دیں۔ اور جلسہ شب کے وقت منعقد کرے۔ پہلا اجلاس صرف جاپان آنیکی غرض بیان کرنیکے لئے منعقد کیا گیا جس کے

متعلق ہم لوگوں نے ملکر ایک لکچر مرتب کیا۔ اور مسٹر سید حسین عبدالمنعم نے اسکا انگریزی
میں ترجمہ کیا۔ پھر وہ مضمون مسٹر حاز نیف کو دیا گیا۔ کہ جاپانی زبان میں اسکا ترجمہ
کر کے ہماری طرف سے اہل جاپان کو سنائیں۔ اور جلسہ کا اعلان کر دیا گیا۔

ابھی جلسہ شروع ہونیکا وقت آیا بھی نہ تھا۔ کہ لوگ جوق جوق آنے لگے۔ اور سارا
مکان بھر گیا۔ جب لوگ بآرام اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے۔ تو مسٹر حاز نیف ہماری طرف
سے کھڑے ہوئے اور تقریر کرنے لگے۔ اُس تقریر کا ماحصل حسب ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وصلی اللہ علی سیدنا محمد و علی آلہ وصحبہ وسلم

اہل جاپان! ہم لوگ وطن چھوڑ کر اور راستہ کی مختلف مشقتوں اور طرح طرح کی تکلیفوں
کو برداشت کر کے جاپان میں آئے ہیں۔ مگر کیا کسی دنیاوی منفعت یا تمہاری تہذیب و شائستگی
سے فائدہ اُٹھانے کی غرض سے؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ محض ایک سچے اور صحیح دین کیطرف
تمہاری رہنمائی کرنا اور تمہارے دلوں سے فاسد اعتقادات دور کر کے اُن کی جگہ خدائی وحدہٗ
لاشریک لہٗ کی توحید اور نور ایمان کا بھرنا ہمارا مدعا ہے اور اسی واسطے ہم یہاں حاضر ہوئے
ہیں۔ اگر تم لوگ دین اسلام کی حقیقت سے واقف ہوتے تو ہمارے یہاں آنے کو تم خدا تعالیٰ
کا اپنے اوپر بڑا احسان و کرم سمجھتے کہ اُس نے تمکو کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکالکر
ایمان و اسلام کی روشنی کیطرف لانے کا ارادہ فرمایا ہے۔

دین اسلام جسکی حقیقت ہم آپ لوگوں سے بیان کریں گے۔ یہی وہ اکیلا مذہب ہے
جس کے ظہور کے وقت سے لیکر اسوقت تک (جسکو سوا تیرہ سو سال کی مدت ہوئی) کوئی
تغیر و تبدل اسمیں پیدا نہیں ہوا۔ اور جو ہمیشہ روے زمین پر بڑھتا اور پھیلتا ہی رہا۔
باوجودیکہ اس کی کماحقّہٗ تو کیا برائے نام تبلیغ واشاعت کے لئے بھی مسلمانوں میں کوئی خاص
جماعت نہ گذشتہ زمانوں میں تھی۔ اور نہ اب موجود ہے۔ اور اسلام کے لیے بلا محنت وکوشش

پھیلتے رہنے کا اصلی راز یہ ہے۔ کہ یہ دین العقل یعنے وہ مذہب ہے۔ جو سراسر عقل و حکمت کے موافق ہے۔ اور عقل کے نزدیک جب کوئی صحیح برہان ثابت ہوجاتی ہے۔ تو وہ اسکے نتیجہ کو جو صحیح المقدمات قضیہ سے پیدا ہوتا ہے۔ فی الفور قبول کرلیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اصحاب عقل و فہم اسلام کی صداقت و حقانیت کے زور شور سے معترف ہیں۔ اور اسلام کے دین العقل ہونیکا کافی ثبوت یہ ہے۔ کہ آج بڑے بڑے فلاسفر عیسائی اس بات کے مقر اور معترف ہیں کہ اسلام نے امور دین تو ایک طرف امور دنیا میں سے کسی بات کو نہیں چھوڑا۔ بلکہ ساری باتیں جو دنیاوی صلاح و فلاح کی معین ہو سکتی ہیں۔ اسلام نے اُن کے عقد سے حل کردیئے ہیں۔ اور اُن کا طریقہ بتادیا ہے۔ غرض مذہب اسلام۔ تمدن اور عدل و انصاف اور مساوات کا برتنے والا اور اُن کی تعلیم دینے والا مذہب ہے چنانچہ اگر ہم ایک ملک کے قوانین وضعیہ کو اپنے سامنے رکھیں۔ اور اُن کے تمام دفعات پر جو انتظامات ملکی اور حقوق و سیاست اور تمدن و فوجداری اور عدالت و انصاف کے متعلق ہیں۔ غور کی نظر ڈالیں۔ اور پھر مذہب اسلام کے سارے احکام پر بھی غور کریں۔ تو اسلام ہی کو ایک ایسا یکتا قانون پائیں گے۔ جو ان تمام امور پر حاوی ہے۔ اور جس سے ہر ملک اور ہر مشرب و ملت کے لوگ برابر فایدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ بخلاف دیگر دنیاوی قانونوں کے کہ وہ زیادہ تر خاص خاص ملکوں کے اخلاق و عادات و رسم و رواج پر مبنی ہوتے ہیں جس سے تمام دنیا کے باشندے یکساں فایدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ اور اسی لئے مسیحی مذہب کی پیرو بھی تقسیم ترکہ و مسئلہ وراثت میں اسی قانون دین محمدی کو بہتر سمجھتے ہیں۔

ارکان اسلام کے ہر ایک رکن مثلاً کلمۂ شہادت۔ نماز۔ روزہ۔ حج اور زکوٰۃ کی حکمت پر جو خداوند تعالےٰ نے اسمیں رکھی ہے اگر غور و تامل کیا جائے تو معلوم ہوجائیگا۔ کہ سعادت دُنیوی و اُخروی انہیں ارکان پر عملدرآمد کرنے پر موقوف ہے۔ جیسا کہ ہم اسکو آئندہ جلسوں میں بیان کرینگے۔

اسوقت ہم ایک فرانسیسی فاضل مسیو موُدا کے چند جملے جو مذہب اسلام کے بارے میں انہوں نے کہے ہیں۔ آپکو سناتے ہیں۔ تاکہ آپ لوگوں کو معلوم ہوجائے۔ کہ دین اسلام ہی دنیا میں تمدن اور تہذیب کا پھیلانے والا یکتا مذہب ہے۔ مسٹر موصوف کہتے ہیں اسوقت

ب اسلامی دنیا کی کوئی صحیح مردم شماری نہیں ہوئی ہے جس سے تمام روئے زمین کے مسلمانوں
کی تعداد کا اندازہ کیا جا سکے۔ مگر جو اندازہ بسبیل قلت بیان کیا گیا ہے۔ اور ممکن ہے کہ اس سے
بہت زیادہ تعداد ہو۔ وہ یہ ہے کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کی تعداد کم سے کم تیس کروڑ ہے۔
اسلام ایشیا میں ظاہر ہوا۔ اور وہاں سے بہت جلد اطراف وجوانب کے ممالک میں نہایت
تیزی کے ساتھ پھیل گیا۔ پھر افریقہ میں داخل ہوا اور وہاں اپنا خیمہ و جھنڈا نصب کیا۔ پھر
ایشیائے کوچک میں داخل ہوا اور اسی طرح یوماً فیوماً بڑھتا رہا۔ یہانتک کہ بہتیرے ممالک اور
شہروں میں بہت قلیل مدت میں پھیل گیا (سہ عراقین زد روم زد شام زد۔ بہر جا کہ شد کوس اسلام زد)
اور جب ہم صفحات تاریخ کو اُلٹتے ہیں اور اسلامی احوال کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ
اسلام ہی وہ یکتا مذہب ہے جو تمام قوموں کی ترقی اور اُن کی سعادت دینی و دنیوی کا کفیل
ہے۔ پس ہم اہل مغرب پر واجب ہے کہ بلا کسی رد و ریا کے اس بات کا اقرار کریں کہ اس مذہب
کے پیرو باعتبار اعتقادات دینیہ کے تمام قوموں سے زیادہ ترقی یافتہ اور سب سے بہتر حالت
میں ہیں ''

یہ ہے مسٹر ہوذا کا کلام! اور انشاء اللہ تعالے آئندہ جلسوں میں ہم اس سے بھی زیادہ
اسلام کی خوبیوں کو بیان کرینگے۔

ہماری انجمن کے جلسے

جب ہم نے پہلا اجلاس منعقد کیا اور مسٹر جاز نیٹ نے مذکورہ بالا مضمون پڑھا تو اس کے
بعد ہم لوگوں نے اصول مذہب اسلام کے متعلق بعض امور کو وضاحت سے بیان کرنا شروع کیا
اور حاضرین کو اسلام کے معنی اور اسکی غرض وغایت مجمل طور پر اس انداز سے سمجھائی کہ
آسانی سے ہر شخص کی سمجھ میں آ جائے۔ جلسہ کا وقت مقررہ ختم ہونیکے بعد دوسرے دن آنے
والوں کا بڑا ازدحام ہوا اور اسقدر لوگ بھر گئے کہ مکان میں تل رکھنے کو بھی جگہ نہ باقی رہی
جلسہ شروع ہونیکے وقت افتتاح جلسہ کا اعلان کر دیا گیا اور مسیو جاز نیٹ نے کھڑے
ہو کر جو مضمون ہم لوگوں نے مرتب کیا تھا۔ اُسے پڑھنا آغاز کیا۔ یہ مضمون بالکل کتاب و سنت

اور اجماع امت سے ماخوذ تھا۔ مگر اسمیں باریک اور قابل غور و تعمق باتوں کو دخل نہیں دیا گیا تھا۔ بلکہ جسقدر دلائل و براھین اور استشہادات مذہب اسلام کے متعلّق بیان کئے گئے تھے۔ کوئی بھی امور عقلیہ سے خارج نہ تھے۔ اور سب موافق عقل تھے۔ اس تقریر کا فرانسیسی اور انگریزی زبانوں میں ترجمہ کر دیا گیا۔ مسٹر جارنیف انگریزی میں بیان کرتے تھے جو حضرات ان زبانوں کو سمجھتے تھے۔ وہ بگوش دل سُن رہے تھے۔ لیکن جن کو جاپانی زبان کے سوا اور کوئی زبان معلوم نہ تھی۔ اُن کو مسٹر جارنیف ہی جاپانی زبان میں ترجمہ کر کے سمجھاتے جاتے تھے۔ اثنائے کلام میں جس شخص کو کسی بات میں کوئی شبہ یا کچھ پوچھنا ہوتا تھا۔ وہ ہمارے پاس ایک پرچہ لکھکر بھیجدیتا۔ اور ہم بھی پرچہ ہی پر اُس کا جواب لکھدیتے تھے۔

اس طریقہ سے ہمیں اہل جاپان کو مذہب اسلام کے معنی و مطلب سمجھانے کی قدرت حاصل ہوئی ورنہ شاید کوئی جاپانی شرف اسلام سے مشرف نہ ہو سکتا۔ ہماری طرف سے بالخصوص یہ کوشش بلیغ ہو رہی تھی۔ کہ اُن لوگوں کو نہایت سہل طریقہ اور ایسے انداز سے جو عام فہم ہو اسلامی حقائق سمجھائے جائیں۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل جاپان کثرت سے اسلامی تعلیمات کی مدح سرائے کرتے ہوئے دین حنیف میں داخل ہوتے تھے۔

اور یہی طریقہ لیکچر و تقریر وغیرہ کا ہم نے ہر جلسہ میں برتا۔ اور جس قدر ہم اُن کو دین اسلام کی معرفت زیادہ حاصل کراتے تھے۔ اُسی قدر اسلام لانیوالوں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی۔ اور اسی کے ساتھ ہماری سوسائٹی اور جلسہ کی تمام شہر میں بڑی شہرت ہو گئی۔ جو لوگ مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ وہ اس دین مقدس کی مدح و تعریف میں تر زبان تھے۔ کہ اس سچے دین نے اُن کو معبود برحق کی معرفت حاصل کرائی۔ ظلمت سے نکالکر نور کیطرف لایا اور ایک سیدھا راستہ بتلا دیا۔ اور وہ شبہات جو ان جاپانیوں نے مذہب کے متعلق ہم پر پیش کئے اور ہماری طرف سے اُن کے جوابات دئیے گئے اگر تمام مشنریاں دین عیسوی جمع ہوتے اور اُن پر وہ شبہات وارد کئے جاتے تو وہ ہرگز اُن کا جواب شافی نہ دے سکتے خصوصاً ایسے سہل طریقہ سے جو مبہم امور کی وضاحت مشکل مسئلوں کے حل اور شبہات کے دفع کرنے میں ہم نے اختیار کیا۔ مسیحیوں وغیرہ سے ناممکن تھا۔ مگر اس بات کا ہمکو کچھ فخر

نہیں - بلکہ یہ محض سلف صالحین کا حق ہے جنہوں نے اسلامی خدمات کے لئے اپنی جانیں وقف کر دی تھیں - خدا اُن کو خدمت اسلام کا نیک بدلہ دے اور اُن پر رحم فرمائے -

اس دین متین کیطرف جاپانیوں کو ہدایت کرنے میں ہم لوگوں نے اتنی آسانی پائی - تو اس کا یہ بھی سبب ہے کہ اہل جاپان کی طبعی حالت اُن کے مشرف بہ اسلام ہونے پر بہت ہی مساعد اور موید ہے کیونکہ وہ ایک ایسی قوم ہے جسمیں اُن باتوں کے قبول کرنیکی طبعی استعداد اور صلاحیت موجود ہے - جو عقل اور فہم کے مطابق ہوں - لیکن خلاف عقل باتیں چاہے - اُن کو کسی سفسطہ و مغالطہ سے کیوں نہ ثابت کیا جائے - اُن کا اعتقاد کبھی ایسے امور پر نہیں جمتا اور وہ اُن کو سچے دل سے ہرگز قبول نہیں کرتے -

اور اس امر کی بڑی دلیل کہ جاپانی قوم میں بھلی اور اچھی باتوں کے قبول کرنیکا بہت کچھ مادہ موجود ہے اُن میں اعلے درجہ کی "حُبّ وطن" کا موجود ہونا ہے - جس قوم میں طبعی طور پر عقل و شعور ہو - وہ بے شک ہدایت کے بہت قریب ہوتی ہے اور راہ راست کے بالکل نزدیک پائی جاتی ہے - کاش ایسی صورت میں کوئی اسلامی وفد آج سے پہلے یہاں آتی - اور وہ بھی اسی طریقہ و انداز سے جسے ہم لوگوں نے برتا ہے - اس قوم کو ہدایت کرتی اور انہیں اسلام کی دعوت دیتی تو اس وقت جاپان میں مسلمانوں کی تعداد ہزاروں کے بجائے لاکھوں ہوتی

جو لوگ اس قلیل مدت میں ہمارے ہاتھوں پر اسلام لائے اُن کی کل تعداد قریب بارہ ہزار کے ہے - پس اگر مسلمانوں کا کوئی وفد پہلے ہی یہاں آتا اور ایک عرصہ تک یہاں رہ کر تبلیغ کرتا تو معلوم نہیں کس قدر یہاں اسلام پھیل جاتا - اور جو لوگ ہمارے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوگئے ہیں - اکثر اُن میں حکام و تجار و عمائد و روسا اور با اقتدار لوگ ہیں اور بہتیرے اوسط درجہ کے آدمی بھی ہیں - سب سے پہلے ایمان لانیوالے جنکو سابقین اولین کا شرف حاصل ہوا - جناب مسٹر حاذنیف ہیں - ان کے بعد اترالکیبو اور انسا تلیتر یو اندر کورہ فاری وغیرہم اعیان جاپان - کہ اگر ہم اُن سب حضرات کے اسماء گرامی لکھنا چاہیں - تو ایک بڑا دفتر درکار ہے - ان اسلام لانیوالوں میں سے بعض حضرات نے اپنے قدیمی اصلی نام کو اور خاندانی القاب کو بدلنا پسند نہ کیا - اور ہم نے انہیں اجازت دیدی - کہ اس

ہیں کوئی مضائقہ نہیں۔ آپ اپنا پہلا ہی نام باقی رہنے دیں۔ بعضوں کے نکاح میں عیسائی عورتیں تھیں۔ اور انہوں نے اُن عورتوں سے علیحدگی پسند کی۔ اُنہیں بھی ہم نے بتلایا کہ یہ کوئی حرج کی بات نہیں۔ اسلام نے اہل کتاب عورتوں سے مناکحت جائز رکھی ہے مگر جن لوگوں کے تحت میں مشرکہ عورتیں تھیں۔ البتہ ہم نے اُن کو آگاہ کیا کہ اسلام نے مشرک اور بت پرست عورت کو مومن کے تحت میں آنے سے بالکل منع کیا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ ہمیں یہ قوی امید تھی کہ اُن کی وہ غیر مومنہ عورتیں بھی انشاء اللہ عنقریب مسلمان ہو جائینگی کیونکہ وہ اپنے شوہروں کی فرمانبردار اور اُن سے محبت کرتی تھیں۔

المختصر ہم نے اٹھارہ جلسے منعقد کئے۔ اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہر جلسہ میں لوگ جوق جوق مسلمان ہوتے تھے۔ جب ہم نے جاپان سے سفر و در وطن کی واپسی کا قصد کیا تو جناب مخلص محمود دروی اور جناب سید سلیمان جینی نے اپنی یہ خواہش ظاہر فرمائی کہ ہم دونوں ابھی یہیں رہ کر اشاعت اسلام میں اپنی پوری کوشش صرف کریں گے۔ اور قریباً چھ مہینے تک اور یہاں قیام کرینگے۔

اس میں شبہہ نہیں کہ جو شخص جاپانی قوم کے اخلاق و عادات سے اور جیسی کچھ اُن میں قلبی صلاحیت اور نور بصیرت ہے۔ اُس سے واقف ہوگا۔ وہ بے شک یقین کریگا۔ کہ عنقریب وہ زمانہ آتا ہے کہ جاپان میں مسلمانوں کی تعداد انشاء اللہ عیسیوں سے کئی حصے زیادہ نظر آئیگی۔ اور قاعدہ تدریج بھی اسی کا مقتضی ہے ؎

الاسلام

ہم نے جاپانیوں کو اپنے جلسوں میں دین اسلام کی حقیقت اور اُس کے متعلقات سے آگاہ کرنا شروع کیا تو یہ لحاظ رکھا کہ ہر بات اُن کو بہت ہی اختصار کے ساتھ سمجھائی جائے سب سے پہلے اُنکو اسلام پر ایک لکچر سنایا گیا جسکا خلاصہ یہ ہے:-

"دین برحق یہی اسلام جسکو خدا کی طرف سے اُسکے برگزیدہ رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و صحبہ وسلم لیکر آئے ہیں جو تمام انبیا علیہم السلام کی تمام پہلی شریعتوں کا ناسخ ہے۔ اب قیامت تک اگر

کسی کے لیئے باعث نجات ہوسکتا ہے۔ تو صرف یہی دین اسلام یہی وہ دین ہے جو خلق کی تمام دینی اور دنیوی مصلحتوں پر حاوی ہے۔ اور لوگوں کو تمدنی اور مذہبی صلاح و فلاح کے طریقے بتاتا اور عقاید صحیحہ تہذیب نفوس، شائستگی اور اعلےٰ درجہ کے اخلاق کی تعلیم و ہدایت کرتا ہے۔ جیسا کہ خداوند تعالےٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے (ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق) وہی خداوند تعالےٰ ہے جس نے اپنے رسول محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور دین حق لیکر بھیجا۔

اور چونکہ یہ دین تمام ادیان سابقہ کا ناسخ ہے اور انسان ہمیشہ کسی نہ کسی دین کا متبع اور اُسکا ماننے والا ضرور ہوتا ہے۔ اسلیئے خداوند تعالےٰ نے انسان پر اپنی حجت تمام کر دی اور فرمایا (ان الدین عند اللہ الاسلام) کہ بیشک دین خدا کے نزدیک اسلام ہی ہے یعنی جو شخص اسلام کا پیرو نہیں وہ خدا و رسول کا اور اس کی کتاب کا منکر اور کافر ہے۔ اور جو لوگ اسلام سے کنارہ کش اور اسلام کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کے متبع ہیں اُن کی نسبت خدائی سخت وعید کی اور قیامت کی دن اُن کے لیئے بہت ہی خسارہ بیان فرمایا ہے۔ کہ ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاٰخرۃ من الخاسرین جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرے تو خدا کے نزدیک اُسکا وہ دین ہرگز مقبول نہیں اور آخرت میں وہ زیان کاروں میں ہوگا) اور فرمایا "افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم من فی السمٰوٰت والارض طوعا و کرھا و الیہ ترجعون" (کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کے تلاش میں ہیں۔ حالانکہ آسمان اور زمین کے رہنے والے خوشی و ناخوشی طوعاً و کرھاً سب اُسی کے زیر فرمان ہیں اور اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے) (جو لوگ طوعاً اسلام لائے یعنی اس دین کی تصدیق سچی دل سے کی وہی وہ لوگ ہیں جنہیں عقل سلیم عطا ہوئی۔ اور جن کو نور بصیرت سے حصہ ملا ہے جسکی بدولت انہوں نے دین حق کو پہچانا اور اس کی کسی بات میں ریب و شک کو دخل نہ دیکر خداوند تعالےٰ اور روز آخرت پر ایمان لائے۔ اور خدا کے رسول کی جو اس دین کو لائے اور قرآن کی جسمیں خدا نے اسلامی احکام نازل فرمائے ہیں تصدیق کی۔ اور کرھاً اسلام لانیوالے وہ ہیں جنہوں نے اس دین کی بابت بجائے

اور شک کو اپنے دل میں جگہ دی۔ لیکن اسلام نے اپنی حقانیت کے وہ براہین قاطعہ پیش کئے جنہوں نے اُن شک کرنے والوں کے تمام قلبی شکوک وشبہات کی خوب سرکوبی کی۔ آخر اُن دلائل سے مجبور ہو کر اُن کو اقرار کرنا پڑا کہ اسلام دین برحق ہے اور بانئے اسلام خدا وند تعالےٰ کے سچے رسول اور قرآن خدا کا کلام ہے مگر جن لوگوں نے طوعاً یا کرھاً کسی طرح بھی اس دین کی اطاعت اور اسکا اتباع نہیں کیا۔ بلکہ اس سے عناد رکھا۔ خدائے تعالےٰ نے اُن پر سخت نفرین فرمائی ہے۔

اور چونکہ دین نام ہے خدائے تعالےٰ کی طاعت اور اُس کے فرمان و احکام پر عمل کرنے اور ممنوعات سے دور رہنے کا۔ اسی لئے خدا نے ہر پیغمبر اور رسول کو اسلام کی مستحکم ڈوری مضبوطی سے پکڑنے کی ترغیب دی اور ہدایت کی جیسا کہ ارشاد فرماتا ہے۔ شرع لکم من الدین ما وصّٰی بہ نوحاً والذی اوحینا الیک وما وصّینا بہ ابراھیم وموسٰی وعیسٰی ان اقیموا الدّین ولا تتفرقوا فیہ " (لوگو خدا نے تمہارے لئے وہی دین مقرر و مشروع کیا ہے جسکی پیروی کا نوح کو حکم دیا تھا۔ اور اے رسول! تمہاری طرف بھی ہم نے وہی دین بھیجا۔ اور اسی کا ہم نے ابراہیم اور موسےٰ اور عیسےٰ کو بھی حکم کیا تھا کہ اسی دین (اسلام) کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو)۔ ان انبیائے اولوالعزم کو خداوند نے جس چیز کی وصیت اور حکم فرمایا تھا۔ وہ یہی توحید اور عبادت آلہی اور اُن حدود پر قائم رہنا ہے جن کو دین اسلام نے بتایا ہے۔ چنانچہ اسکو خداوند کریم نے متعدد جگہوں پر قرآن میں بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوا " وما ارسلنا قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الٰہ الا انا فاعبدون " (اور اے پیغمبر تمہارے قبل ہم نے جس رسول کو بھیجا اسکو یہی وحی اور یہی ہدایت کی کہ میرے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ میں ہی سب کا معبود ہوں تو اے لوگو میری ہی عبادت کرو)۔ اور جیسا کہ خدائے تعالےٰ نے اس دین کو اپنا پسندیدہ اور مقبول بنایا اور اب اس کے سوا کسی اور دین سے وہ خوش اور راضی نہیں۔ ویسا ہی ان لوگوں کے حق میں جو اس دین کے ساتھ بیہودگی کرنے کی سعی اور اسمیں تفرقہ اندازی کی کوشش کرتے اور اس کے حدود پر قائم نہیں رہتے ہیں۔ بہت کچھ عذاب کا خوف دلایا۔ اور مسلمانوں کو ایسے لوگوں سے علیحدہ

اور بری رہنے کا حکم دیا اور آخرت میں اُن کے لئے عذاب سخت کا دھڑکا دلایا۔ ارشاد فرماتا ہے إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ "جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور وہ گروہ گروہ ہو گئے تم اُن میں سے کچھ بھی نہیں ہو۔ جز این نیست کہ اُن کا معاملہ اللہ سے ہے پھر ہم انکو بتا دینگے کہ وہ کیا کیا کرتے تھے"

خدا تعالے نے تورات و انجیل میں بھی اسکی خبر دی تھی کہ آخر زمانہ میں ایک رسول عربی دین اسلام لیکر آئیں گے۔ لیکن یہود و نصاریٰ نے اور جنہوں نے توریت و انجیل کو محرف کر ڈالا جہاں صدہا مقامات میں تغیر و تحریف و حذف و زیادت سے کام لیا ویسے ہی اس پیشگوئی اور بشارت کو بھی حذف کر دیا۔ جیسا کہ خدا نے اُن کی نسبت فرمایا وَالَّذِينَ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ اور انہوں نے یہ کارروائی اسلئے کی تاکہ وہ ضلالت اور وہ دام و تزویر تضلیل جو انہوں نے پھیلا رکھا تھا۔ ٹوٹنے نہ پائے اور اسمیں فتور نہ آئے۔

اسلام "دین الفطرت" ہے

خدا نے انسان کو پیدا کیا اور تمام مخلوقات پر اُسے عقل و شعور کی وجہ سے امتیاز بخشا انہی قوتوں کے ذریعے سے انسان اشیاء کو پہچانتا اور جانتا۔ نفع و ضرر میں تمیز کرتا۔ اور حقایق موجودات جنکا دریافت کرنا ایک بہت مشکل امر ہے انکا پتا لگاتا ہے۔ غرض یہ کہ عقل انسان کے لئے بمنزلہ ترازو کے ہے جس پر ہر شے کو تول سکتا ہے یا یوں سمجھو کہ ایک کسوٹی ہے جس کے ذریعہ سے معدنیات پرکھے جاتے ہیں اور سونا تانبے سے اور چاندی رانگے سے ممتاز کی جاتی ہے

اس مذکورہ بالا امر کے جان لینے اور تسلیم کر لینے کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عالم وجود میں ہر ایک صاحب عقل انسان اس بات کو مانتا ہے کہ اس عالم کا کوئی خالق ضرور ہے جس نے اسکو پیدا کیا اور اسمیں طرح طرح کی مصوری اور نقاشی کی ہے۔ بلکہ سارا جہاں اسپر متفق ہے کہ اس عالم کا کوئی خالق ضرور ہے کیونکہ یہ بات عقل میں نہیں آسکتی کہ یہ کل موجودات خود بخود بلا کسی موجد کے موجود ہو گئی ہو۔ اسلئے کہ موجودات عالم میں جو اسقدر تغیرات ہوتے رہتے ہیں اُس کے

لئے کسی مؤثر اقہر موجد کے لئے کسی موجد کا ہونا ضروری ہے چنانچہ اسی بنا پر وہ منطقی قضیہ مرتب کیا گیا ہے۔ جس کے ذریعہ سے واجب الوجود کے ہونے پر استدلال کیا گیا ہے جس کے ذریعے سے واجب الوجود کے ہونے پر استدلال کیا گیا ہے۔ اس طور پر کہ "عالم متغیر ہے"۔ اور اور "متغیر حادث ہے"۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ "عالم حادث ہے"۔ پھر اسکے ساتھ یہ مقدمہ لگایا کہ "ہر حادث کے لئے محدث کا ہونا ضرور ہے"۔ تو نتیجہ یہ پیدا ہوا کہ

"عالم کا کوئی موجد اور اُس کا پیدا کرنیوالا ضرور ہے"۔ یہ وہ منطقی قیاس اور برہان ہے جس کو ہر ذی عقل اور صاحب فہم سلیم تسلیم کریگا۔

اور چونکہ خداوند کی ذات پاک۔ زمان ومکان سے بری اور فہم وادراک کی رسائی سے بالاتر ہے۔ اسلئے تمام عقلیں اسکی ذات کے پہچاننے میں حیرت زدہ اور عاجز ہیں۔

مگر ساتھ ہی اس کے عقول باعتبار کمال وعدم کمال کے درجات میں متفاوت ہیں۔ اور اسی تفاوت عقول کا نتیجہ ہے کہ خالق ومعبود کے پہچاننے میں لوگوں کو دھوکا ہوتا گیا چنانچہ بعضوں نے چاند کو دیکھ کر اور اس کے جرم کی بڑائی اسکی عجیب وغریب چال ایک حالت سے دوسری حالت میں انتقال اور اس کے نور اور روشنی کو جو آسمان وزمین کو منور کردیتی ہے۔ پیش نظر رکھکر اُسے خالق عالم قرار دیا۔ بعضوں نے آفتاب کو دیکھا کہ وہ سب ستاروں حتیٰ کہ ماہتاب سے بھی کہیں بڑا ہے۔ اسکی روشنی اور چمک دمک بھی چاند سے دس گنی زائد ہے۔ اور اجسام نامیہ حیہ اور غیر نامیہ کو اس کے وجود سے بہتیرے منافع حاصل ہوتے رہتے ہیں۔ اسوجہ سے آفتاب ہی کو خالق ومعبود اعتقاد کرلیا۔ بعضوں نے آگ میں ایک ایسی خاصیت جو ہر شے میں تاثیر کرتی ہے۔ یعنی جلانا نیز ضروریات زندگی کے بہتیرے منافع وفوائد جو ہمیں اس سے حاصل ہوتے رہتے ہیں۔ دیکھے اور اسی کو خالق ومالک گمان کرنے لگے۔ اور بعضے بتوں کو جنہیں وہ اپنے ہاتھوں سے پتھر وغیرہ سے تراش خراش کر بناتے ہیں۔ مالک ومعبود کہتے اور سمجھتے ہیں۔ مگر یہ اور ان کے ہمخیال جو اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی مورتوں کو پوجتے ہیں۔ بالکل ایسے ہیں جیسے بے زبان و بے شعور حیوانات جنکو عقل وفہم سے کوئی واسطہ نہیں۔

غرض اسی طرح ہر فریق نے ایک ایک خاص معبود اور خالق اپنے زعم کے مطابق ٹھہرالیا ہے اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ نفس کی خواہش اور انسان کا طبعی میلان یہ ہے کہ تمام اشیاء چاہے وہ اسکی نظر کے سامنے ہوں یا نظروں سے غائب اُن کی حقیقت سے واقفیت وآگاہی حاصل کرے خصوصاً جبکہ وہ شئے کچھ عجیب وغریب بھی ہو۔ اور اسمیں شک نہیں کہ وہ ذات جو سارے عالم کے ایجاد کرنے پر قادر ہو اور تمام جہان کو عدم سے وجود میں لائے عقل کے نزدیک ایک عجیب وغریب اور بے مثل ذات ہے۔ تو عقل نے بوجہ اپنے میلان طبعی کے اس ذات کی حقیقت دریافت کرنے کیلئے اور اس کے پہچاننے کی کوشش کی لیکن چونکہ ایسی ذات کا دریافت کرسکنا گویا ایک امر ناممکن تھا۔ اس وجہ سے عقلیں عاجز ہوکر اس حد تک پہنچیں کہ اپنی تسلی واطمینان کے لیئے آخر کسی ایک شئے کو معبود ٹھہرالیا اور اسی کو خدا مان لیا۔ بس یہی اختلاف کی جڑ اور بنیاد ہے۔

لیکن اس اختلاف کے اعتبار سے بھی عقلیں بحیثیت کمال ونقصان کے تفاوت ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو چاند کو معبود ٹھہراتے ہیں زیادہ صاحب عقل وشعور ہیں اُس گروہ سے جو مورتوں کی پرستش کرتا ہے۔ کیونکہ اول گروہ نے ایک عجیب وغریب مخلوق دیکھ کر اس کی نسبت "ھٰذا ربی" (یہی میرا رب ہے) کا گمان کیا مگر دوسرا فرقہ بالکل بے شعور جانوروں کے شمار میں ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی چیز کی پرستش کرتا ہے۔ اور یہ سراسر حماقت اور بے وقوفی ہے۔ پھر ماہتاب وآفتاب وغیرہ کو معبود سمجھنے والوں سے بہت زیادہ رسا اور سلیم وصحیح وہ عقل ہے جو بنابر اُن صحیح قضایا کے جن سے صحیح نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ اصل ذات واحد کی دریافت کا راستہ پالیتی ہے۔

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا قصہ مذکورہ بالا امر کی دلیل ہے کہ اُنہوں نے جب ماہتاب وآفتاب میں وہ کمال جو معبود حقیقی کے لیئے ہونا چاہیئے۔ موجود نہ پایا۔

تو وہ ان کو خدا اور خالق اعتقاد کرنے سے باز رہے۔ اور چونکہ اُن کا یہ اعتقاد تھا کہ معبود کا وجود ضروری ہے۔ اسوجہ سے اُن کی عقل سلیم نے حقیقت کا عرفان حاصل کرلیا۔ کہ معبود حقیقی وہ ایک ذات پاک ہے جس کو یہ آنکھیں دیکھ نہیں سکیں۔ پس وہ اسی

وحدہٗ لاشریک پر ایمان لائے - اور اس واجب الوجود کی معبودیت کا اعتقاد کیا - جب مذکورہ بالا امر مسلم ہوچکا - تو ہمارا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا - کہ اسلام دین الفطرت ہے۔ دیکھو! اگر دین اسلام کے ماسوا اور مذاہب کے پیرووں سے یہ سوال کیا جائے کہ تمہارے اس اعتقاد کی جس پر تم قائم ہو کیا دلیل ہے اور کن اسباب نے تم کو اس اعتقاد کے قبول کرنے پر مجبور کیا - تو ہر مذہب والا اپنی اپنی حجت اور اپنے زعم میں مضبوط اور مسکت دلیل پیش کریگا - مگر آخر میں کوئی تشفی بخش نتیجہ اسکا حاصل نہ ہوگا - اسکی مثال میں دین مسیح ہمارے پیش نظر ہے - چنانچہ اگر تم اس مذہب عیسوی کی حقیقت اور وہ دلائل جن سے نصاریٰ اُلوہیت مسیح پر استدلال لاتے ہیں - معلوم کرنا چاہو اور کسی بڑے سے بڑے فصیح اور لکچرار پادری سے اسکا سوال کرو - تو اُسکی تقریریں متناقض اقوال اور مضطرب کلاموں کو سن کر تم حیرت میں آجاؤ گے - بلکہ دم الجھنے لگے گا - لیکن جب تم کسی مسلمان سے اُسکی اصلی اعتقاد اور اسکے مذہب کی حقیقت کا سوال کروگے تو اس کے لئے صرف یہی کافی ہوگا کہ وہ انگشت شہادت اُٹھا دے کہ میرا اصل دین و ایمان خدائے واحد و یکتا کی توحید ہے ؎

کہ ہے ذات واحد عبادت کے لائق - زباں اور دل کی شہادت کے لائق

خلاصہ یہ ہے کہ ایک ایسے وجود کا ماننا جو تمام عالم کا خالق اور موجودات عالم میں موثر اور متصرف ہے - بمقتضائے فطرت ہے - حتیٰ کہ اگر کوئی شخص جو صاحب عقل سلیم ہو دنیا کے کسی ایسے گوشہ میں پیدا ہو - اور ایسے مقام پر نشو و نما پائے جو بنی نوع انسان سے بالکل دور اور علیحدہ ہو - تو یقیناً وہ بھی اپنی فطرت اور تجربے سے یہ اعتقاد کریگا - کہ ایک ایسی ذات ضرور موجود ہے جو خلاّق عالم اور ساری کائنات میں متصرف و مؤثر ہے - بس یہی حقیقت دین محمدی اور اصل اصول اسلام ہے -

زمانہ گذشتہ میں بعض بڑے بڑے مشہور حکیم و فلاسفر جیسے افلاطون اور سقراط وغیرہ گذرے ہیں - کہ جنکی عقل سلیم نے اُن کو اسی اعتقاد اسلامی کی طرف ہدایت کی - اور اسی طرح بعض بڑے بڑے عقلائے اہل یورپ جو باعتبار علوم و فنون کے آج تمام قوموں سے زیادہ ترقی یافتہ قوم کے افراد ہیں - اس اعتقاد کو موافق عقل پاکر مشرف باسلام ہوگئے اور

ہوتے جاتے ہیں۔ اگر اسلام کو وہ دین الفطرت یعنے ایک ایسا مذہب جو فطرت اور عقل کے موافق و مطابق ہے نہ پاتے تو اسکو ہرگز قبول نہ کرتے۔

اور اس مقدس دین کے مطابق فطرت ہونیکی یہی دلیل کافی ہوسکتی ہے کہ اگر ایک جاہل مسلمان سے بھی تم اسکا اصل اعتقاد و مذہب پوچھوگے تو وہ اشارہ سے یا زبان سے تمہیں اپنا مافی الضمیر صاف بتائیگا۔ بخلاف اسکے اگر اور مذہب کے لوگوں سے دریافت کروگے تو اسکی پراگندہ تقریر سے تم پریشان ہوکر رہ جاؤگے اور کچھ سمجھ میں نہ آئیگا۔

القرآن

قرآن خداوند تعالےٰ جل جلالہ کی بھیجی ہوئی کتاب ہے جسکو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے۔ اس کتاب میں دینی اصول و فروع اور ان کے علاوہ دوسری مفید باتیں بھی بتائی گئی ہیں۔ اس کتاب (قرآن) نے اسلام کی صحت اور حقانیت پر ایسی پرزور دلیلیں پیش کی ہیں کہ شک و شبہ رکھنے والے نفوس اُن کو مان جاتے ہیں۔ اُس نے گذشتہ زمانہ والوں کے حالات اور سابقہ اُمتوں کے احوال اور واقعات بیان کئے ہیں جنمیں دانشمندوں کے لئے مفید نصیحتیں اور عبرتیں موجود ہیں۔ موجودات عالم مثلاً عناصر اور معادن وغیرہ کو ہمیں تفصیلاً و تصریحاً یا ضمناً و اشارۃً بتلایا ہے۔ مواعظ حسنہ اور مفید نصیحتیں کی ہیں جو دین و دنیا کی بہبودی کی راہ بتلانے والی ہیں۔ دنیا اور آخرت کی حقیقت بیان فرمائی ہے اور آخرت میں مومنین کے لئے جو آرام و راحت اور اسلام و قرآن سے انحراف اور اسکی تکذیب کرنے والوں کے لئے جو عذاب و مصیبت خدا نے مقرر فرمایا ہے اُسے ظاہر کیا ہے۔ اور جو کچھ ہم آج ترقی یافتہ قوموں میں بہتر سے بہتر سیاست و تمدن اور تہذیب و شائستگی دیکھتے ہیں۔ اُنمیں سے بہتیری باتیں اسی قرآن میں پائی جاتی ہیں۔

قرآن وہ قانون مکمل ہے کہ اگر ابتدائے آفرینش سے لیکر آجتک کے ہر قوم و ملت کے لوگوں کو جمع کیا جائے۔ تاکہ وہ ایک ایسا قانون وضع کریں کہ تمام لوگ اپنی مذہبی، ملکی، قومی اور دنیوی باتوں میں اسپر عمل درآمد کریں اور وہ قانون ان کے دارین کی سعادت و فلاح کا

طفیل ہو۔ اور فرض کرو۔ کہ وہ ایک ایسا قانون بنالیں تو بھی وہ ہرگز قرآن پاک کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اور قرآن کے مثل لانے میں وہ سب کے سب بالکل عاجز رہینگے۔ کیونکہ اس نے کسی چھوٹے بیٹے امر کو اپنے اندر جمع کر لینے سے باقی نہیں چھوڑا۔ اور ساری ضروری باتوں کا احاطہ کر لیا ہے۔ جیسا کہ خود قرآن میں خدا فرماتا ہے ”وما فرطنا فی الکتاب من شیئ“ ”اور ہم نے کتاب (قرآن) میں کوئی چیز باقی نہیں چھوڑی“

قرآن مجید میں تین قسم کی باتیں ہیں (۱) توحید (۲) وعظ و نصیحت (۳) احکام توحید میں وہ تمام آیات داخل ہیں جنہیں دلائل الوہیت وحدانیت اور خداوند عزوجل کی ذات و صفات اور انبیاء علیہم السلام کے متعلق باتیں بیان کی گئی ہیں۔ اور وعظ و تذکیر میں نافرمانوں کو ڈرانا فرمان برداروں کو خوشخبری دینا، عمدہ اور مفید نصیحتیں ضرب الامثال ..... اگلی امتوں کے عبرت خیز اور نتیجہ انگیز قصے اور واقعات، تہدید، وعید، زجر و توبیخ جنت و دوزخ اور اسکے متعلقات کا ذکر وغیرہ داخل ہیں۔ اور احکام میں عبادات، معاملات، حقوق اللہ، حقوق العباد، ملکی مذہبی، تمدنی، معاشرتی، اور اخلاق۔ اوامر و نواہی وغیرہ شامل ہیں۔

کیفیت نزول قرآن

چونکہ قرآن خدا کا کلام ہے جس کے مخاطب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس لئے اُس کے الفاظ و معانی کا محافظ امین خدا نے سیدنا جبریل یعنی اُس فرشتے کو جو انبیاء کے پاس وحی لانے پر مامور ہیں مقرر فرمایا۔ اور انہیں کے ذریعہ سے رسول خدا پر حسب ضرورت اور مطابق مصلحت ایک ایک دو دو آیت یا سورت کر کے نازل کیا ——— ضرورت و مصلحت دینی ہوتی یا دنیاوی یا کسی واقعہ کے متعلق ہوتی تھی۔ غرضکہ اسی طرح پورا قرآن ٹکڑے ٹکڑے ہو کر حسب ضرورت نازل ہوا۔ اور اسکی ایک اور وجہ بھی ہے۔ وہ یہ کہ حکمت و فلسفہ کا مسلمہ قاعدہ یہ ہے کہ تہذیب و شائستگی بتدریج پھیلتی ہے۔ لہذا عرب کی قوم جو ابھی گرداب جہالت سے نکل کر اسلام کی روشنی میں آئی تھی۔ اس سے دفعتہً تمام اوامر و نواہی کا تسلیم اور انکو ان کا پابند کرا لینا اور ہر قسم کے حکم و احکام انپر یکبارگی جاری کر دینا ایک مشکل اور خلاف مصلحت

کام تھا۔ اسوجہ سے آہستہ آہستہ حسب موقع ومصلحت قرآن کا نزول ہوتا گیا۔ تاکہ قوم مضبوطی سے تمام باتوں کو قبول کرتی جاتے اور مخالفین اسلام کی بھی بہ آسانی ہدایت ہو سکے اور حکم و احکام کے قبول کرنے میں قوم پر جبر نہ واقع ہو۔ اور اسمیں خلق کی تعلیم بھی مدّنظر تھی۔ کہ انسان کو ہر کام استواری اور موقع ومصلحت سے کرنا چاہئے اور (بیجا) جلد بازی سے کام نہ لینا چاہئے کیونکہ ترتیب وتدریج سے کام کرنا فلاح وصلاح کا موجب ہے۔

ابتدائے نزول قرآن ماہ رمضان میں لیلۃ القدر کی شب ہوا، اُس شب کو لیلۃ القدر اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ اُس مہینے کی اور راتوں اور تمام دوسری راتوں پر اسکو شرف ہے آنحضرتؐ کا معمول تھا کہ خداوند کے پاک کلام کو خداوند کے حضور سے بواسطہ جبریل علیہ السلام کے لیتے تھے۔ اور اپنے اصحاب کرام کو اُسکی تلاوت کرکے سناتے تھے اور ایک جماعت مسلمانوں کی اُسکے حفظ اور جمع کرنے کے لئے مخصوص اور مستعد ہوئی جیسے جیسے قرآن نازل ہوتا تھا۔ وہ لوگ اُسے یاد کرتے اور لکھتے جاتے تھے۔ اور حفظ وتدوین میں ان حضرات نے نہایت مبالغہ اور بڑی کوشش خرچ کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس وقت سے لیکر اس وقت تک ایک لفظ اور ایک حرف کی بھی اُسمیں تحریف نہیں ہوئی۔ اور انشاء اللہ ایسا ہی غیر محرف قیامت تک رہیگا۔ کیونکہ خود خداوند نے اسکی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ (ہمنے قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اُس کے محافظ ہیں)۔

قرآن میں سب سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ" الآیہ اور سب سے آخری آیت یہ نازل ہوئی "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا" (کہ اب ہمنے تمہارے اس دین کو کامل اور مکمل کردیا اور اے امت محمدیہ! ہم نے تمپر اپنا احسان وکرم پورا کردیا۔ اور تمہارے لئے اسی دین اسلام کو پسند فرمایا)۔

اعجاز قرآنی

جسوقت اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا، عرب کی قوم کا مرتبہ فصاحت وبلاغت میں تمام دنیا پر فائق تھا۔ **قرآن پاک** ہی اوس وقت

آنحضرت کا ایک بہت بڑا معجزہ تھا جس نے فصحاے عرب کو متحیر و مبہوت بنا دیا۔ پہلے تو اون لوگون نے قرآن کی فصاحت و بلاغت کو سُنکر کہا "یہ کسی بلیغ شاعر کا کلام ہے" کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ بلاغت و فصاحت کی باگ شعرا ہی کے ہاتھون مین ہے لیکن خداوند تعالے نے اُنکے اس خیال فاسد کی تردید کی اور فرمایا "وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ" یعنی ہمنے اِس رسول کو شعر نہین سکھلایا اور نہ شعر و شاعری انکی شان پاک کے سزاوار ہے"
قرآن پاک کی بلاغت صرف خوبیِ ترکیب نشستِ الفاظ و معانی، روانی عبارت اور ایجاز و اطناب ہی کے اعتبار سے نہین ہے بلکہ اس کا اعجاز اِس اعتبار سے بھی ہے کہ انسان ہزار مرتبہ اسکو پڑھے اور اس کی آیات کی تلاوت کرے مگر ہر بار اسکو پڑھنے اور سُننے مین نیا لطف اور عجیب حلاوت حاصل ہوگی بخلاف کسی اور کلام بشری کے کہ چاہے وہ کتنا ہی بلیغ و فصیح ہو۔ اگر بار بار اور بکثرت اوسکو پڑھنے اور سُننے تو لطف جاتا رہے گا اور بجاے لطف کے بے لطفی و بےمزگی پیدا ہو جائیگی۔

جن لوگون نے قرآن کے کلام الٰہی ہونے سے انکار کیا اور اِس کی تصدیق نہ کی بلکہ اِسکو کلام بشری وغیرہ قرار دیا، اُن پر خداوند تعالے نے یون حجت قایم کی "قل لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یاتوا بمثل ہذا القرآن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظہیرا" یعنے اے رسول منکرین سے کہدیجئے کہ اگر تمام انسان اور جنات مجتمع ہون اور متفقہ کوشش سے اِس قرآن کا مثل بنالانا چاہین تو ہرگز اسپر قادر نہین ہو سکتے مگر اس تحدی پر بھی وہ ایک سورہ بلکہ آیت بھی قرآن کے مثل نہ بنا سکے۔ اور قرآن کے مقابل مین اون کے عاجز ہونے کی بہت بڑی دلیل یہی ہے۔

اور منجملہ اعجاز قرآنی کے ایک اعجاز یہ بھی ہے کہ قرآن نے گذشتہ امتون کے اون حالات و واقعات کی خبر نہایت مختصر عبارت اور عمدہ پیرایہ مین دی ہے جن سے اُس زمانہ کے بڑے بڑے واقفکار باوجود معلوم کرنے کی کوشش بلیغ رہنے کے آگاہ نہ تھے ازانجملہ ایک اعجاز ایسے اوامر و نواہی و احکام کا جاری کرنا ہے کہ کل اہل مذاہب مجتمع ہوکر بھی اس کے مقابل کا کوئی قانون جو (قرآن کی طرح) ہر مذہب و

مشرب اور ہر قوم کی حالت کے موافق و مطابق ہو سکے، نہین بنا سکتے۔

فصاحت مین اسکی اعجاز نمائی کا یہ عالم ہے کہ آج تک ہر ملت و مذہب کے فصحار و شعرار و اہل قلم اپنی عربی عبارات و مضامین کی تزئین و رنگینی اسی کے اقتباس سے کرتے ہیں اور عرب جو افصح الامم ہیں اُن کے کلاموں پر اس قرآن کو ازروے فصاحت وغیرہ کے بدرجہا ترجیح دیتے ہین:-

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت

رسولخدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا نسب سیدنا حضرت اسماعیل ابن سیدنا ابراہیم علیہم السلام سے ملتا ہے۔ آپ عرب کے سب سے شریف اور معزز خاندان سے ہین۔ آپ کی بعثت کی خبر آپ کی ولادت سے پہلے کاہنوں اور راہبوں نے دی تھی۔ اور اُنسے پہلے حضرت سیدنا مسیح علیہ السلام نے آپ کی بشارت دی تھی جیسا کہ قرآن میں حکایۃً خداے تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے کہ واذ قال عیسی ابن مریم یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقاً لما بین یدیّ من التوراۃ ومبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد۔ عیسیٰ ابن مریم نے کہا۔ اے بنی اسرائیل! میں تمہارے پاس خدا کا رسول ہو کر آیا ہوں میں توریت کی تصدیق کرتا ہوں اور تمھین اوس نبی کی جو میرے بعد آنے والا ہے جسکا نام احمدؐ ہوگا خوشخبری و بشارت دیتا ہوں۔ لیکن جن لوگوں نے توریت و انجیل کی تحریف و ترمیم کی اونہیں ناحق شناسوں نے اس بشارت کو بھی انجیل سے حذف کردیا[1]۔ اس برگزیدہ رسولؐ نے یتیم ہو کر پرورش پائی۔ کیونکہ آپ کے والدِ ماجد

[1] مگر باوجود اس تحریف اور حذف و زیادت کے توریت و انجیل میں ایسی بشارتیں آج تک پائی جاتی ہین چنانچہ انجیل یوحنا باب ۱۴ میں بہتیری آیتیں ایسی موجود ہین جنمیں مسیح ؑ نے اپنے بعد آنے والے جلیل القدر نبی کی خبر دی ہے مثلاً تیسویں آیت میں ہے "بعد اسکے میں تمسے بہت کلام نکرونگا اس لیئے کہ اس جہان کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اسکی کوئی چیز نہیں"۔ چھبیسویں آیت ہے "لیکن وہ تسلی دینے والا جو روح القدس ہے جسے باپ میرے نام سے بھیجیگا وہی تمھیں سب چیزیں سکھلاویگا اور سب باتیں جو کچھ میں نے تمھیں کہی ہیں تمھیں یاد دلاویگا" کہیں فرمایا "پر جبکہ تسلی دینے والا جسے میں تمہارے لیئے باپ کیطرف سے بھیجونگا یعنی روح حق جو باپ سے نکلتی ہے تو وہ میرے لیئے گواہی دیگا"۔ ان آیات پر غور و تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یقیناً یہ پیغمبر عرب کی پیشین گوئی تھی ۱۲ حسن۔

سے نے اسوقت وفات پائی جبکہ آپ شکم مادری میں تھے ولادت کے بعد دادا نے آپ کو اپنی کفالت میں لے لیا۔ آپ کی ولادت کے زمانہ میں قدرت کے عجیب وغریب کرشمے ظاہر ہوئے، منجملہ اس کے آتشکدہ فارس کی آگ بجھ گئی جو مدتوں سے روشن تھی اور جس کی پرستش کیجاتی تھی جنکو مشرکین مکہ خدا تک پہونچنے کا وسیلہ سمجھکر اُنکی پرستش کرتے تھے بالائے کعبہ سے گرکر چور چور ہوگئے تب فارس کے بادشاہ کسریٰ نے آپ کی ولادت باسعادت کی شب ہولناک خواب دیکھا جسکو کاہنوں سے بیان کیا کاہن وہ خواب سُنکر بول اوٹھے کہ "ضرور پیغمبر آخرالزماںؐ پیدا ہوئے ہیں" پھر آپ کی ذات بابرکات سے بھی عجیب خرق عادات ظاہر ہوئے جب آپ اسباب تجارت لیکر ملک شام کی طرف چلے تو ابر کا ایک ٹکرہ آپؐ کے سر مبارک پر سایہ فگن رہتا تھا اور دوسرے لوگ دھوپ کی تپش سے پریشان ہوتے تھے۔ اثنائے سفر میں بحیرا راہب نے آپ کو دیکھا تو وہ علامات اور نشانیاں جو نبی منتظر کی کتب آسمانی وغیرہ میں بتائی گئیں تھیں آپؐ میں پاکر اُس نے آپ کو پہچان لیا کہ یہ وہی نبی ہیں جنکی آمد کا مخلوق خدا کو انتظار تھا اور یہ واقعات آپ کے مبعوث بہ نبوت ہونے سے بہت پہلے کے ہیں۔

بچپن اور جوانی ہی سے آپ کے اخلاق ایسے اعلیٰ درجہ کے تھے کہ کوئی عقل و تہذیب کا پتلا بھی آپ کی برابری نہیں کرسکتا تھا۔ اور چونکہ آپ کو خدا اپنا رسول بنانا چاہتا تھا اس لیئے ایام جاہلیت کی بُرائیوں ——— سے آپ کو بالکل پاک رکھا۔ وہ افعال جنکے کرنے سے قرآن نے منع فرمایا ہے مثلاً شراب خواری قماربازی وغیرہ وغیرہ اُس زمانہ میں بھی آپؐ سے کبھی سرزد نہیں ہوئے بلکہ آپ اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول رہتے اور غار حرا میں گوشہ نشین ہوکر ملت ابراہیمی کے مطابق خداوند تعالےٰ کی عبادت کیا کرتے تھے یہاں تک کہ آپ کی عمر کے چالیسویں سال میں آپ کو نبوّت عطا ہوئی اور خدا کا حکم آپ کے پاس آیا کہ خلق خدا کو اسلام کی دعوت بھیجئے یعنی سیدنا جبرئیل امین آپ کے پاس آئے اور خدا کا یہ پیغام لائے کہ "یا یہا المدثر قم فانذر وربک فکبر" الآیۃ اے چادر اوڑھنے والے! اُٹھو، لوگوں کو ڈرادو۔ اور اپنے پروردگار کی کبریائی بیان کرو! جب آپ رسول ہوئے تو خداوند تعالےٰ نے بڑے بڑے معجزات و

آیات سے آپ کی تائید فرمائی مثلاً شق قمر کا معجزہ، آپ کے دست مبارک کی برکت سے پانی کا چشمہ اُبلنا، نابینا کی آنکھوں کا بینا ہو جانا، اونٹ اور سوسمار کا آپ سے ہمکلام ہونا، اور درخت کا اشارہ کرنے سے آپ کے پاس چلا آنا، وغیرہ ــ اور منجملہ ان معجزات کے اعظم اور ابدی معجزہ قرآن مجید ہے کہ فصحاے عرب و بلغاے عجم اس کے مثل یا اُس کے ایک ٹکڑے کے مثل لانے سے بھی عاجز رہے۔ اور حکماے دہر ہمیشہ اُس کے خرمن فیض سے خوشہ چینی کرتے رہینگے۔

خداوند تعالےٰ نے آنحضرتؐ کی قدر و منزلت اور اُنکی محبت اور شان کو بہتیری آیات میں بیان فرمایا، اور اُنکے متبعین کو بشارت دی اور اُنکی مدح کی، اُن کے مخالفین کو ڈرایا اور اُنکی مذمت اور بُرائی بیان کی۔ جیسے فرمایا "انک لعلیٰ خُلقٍ عظیم" بے شک اے رسول! آپ کے اخلاق بڑے اعلیٰ درجے کے ہیں۔ اور فرمایا محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعاً سجداً یبتغون فضلاً من اللہ و رضواناً سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود" (یعنے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُنکا کیا کہنا وہ تو خداوند تعالےٰ کے برگزیدہ رسول ہیں۔ اور اُنکے اصحاب و متبعین کا یہ حال ہے کہ دشمنوں پر اُنکی ایذادہی سے بچنے کے لیئے بہت سخت ہیں، مگر آپس میں ایک دوسرے پر مہربان اور نرم و رحمدل ہیں تم اُن کو دیکھو گے کہ وہ رکوع میں جُھکے ہوے سجدے میں پڑے ہوے خداوند تعالےٰ کی بخشش اور فضل و کرم کے خواہاں ہو رہے ہیں اُنکی پہچان یہ ہے کہ اُنکی پیشانیوں پر سجدے کے گھٹے پڑے ہوے ہیں")۔

اور ارشاد ہوا ان الذین کفروا و صدوا عن سبیل اللہ۔

اور ارشاد ہوا "قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ" کہ اے پیغمبر! لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری اتباع کرو خدا بھی تم کو دوست رکھیگا۔ یہ آیات قرآنیہ آنحضرتؐ کے رتبہ و فضل اور آپ کی امت کی فضیلت کو بخوبی بیان کر رہی ہیں۔

رسول ہونے کے بعد سب سے پہلے آپ اپنے اہل و عیال اور اپنے کنبہ

کو اسلام کی طرف بلانے اور اُن پر تبلیغ رسالت کرنے پر مامور ہوئے جیسا کہ خدا ے تعالیٰ نے فرمایا ہے" وانذر عشیرتک الاقربین" (کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ اور اُنکو اسلام کی دعوت دو) چنانچہ وہ لوگ مسلمان ہو کر پھر دعوت اسلام میں آپ کے حامی و مددگار ہوئے۔ اس میں ایک مخفی اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ انسان کو اول اپنے گھر والوں کے ساتھ نیکی کرنا چاہیئے کیونکہ وہ بوجہ خصوصیت قرابت کے نیکی اور بھلائی پہونچائے جانے کے زیادہ تر مستحق ہیں۔

آنحضرت نے ہمیشہ اپنی زندگی کے اوقات لوگوں کی ہدایت اور اسلام کی اشاعت میں بسر کیئے اور اس میں کوشش و مجاہدہ فرماتے رہے اور برابر خدا کی حفاظت اور خدا کے سایۂ نصرت میں رہے اور کفار پر غالب رہے۔ پھر جب سن شریف باعتبار صحیح روایات کے تریسٹھ ۶۳ سال کا ہوا تو حضور نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی!۔

ہماری انجمن کا ایک جلسہ

جب ہم قوم پر دین اسلام کی صحت اور سچائی اور اسکا دین الفطرت اور دین تمدن ہونا ثابت کر چکے تو ہمنے اُن سے وہ اسرار اور اعلیٰ درجہ کے دینی و دنیوی فوائد بھی بیان کیئے جنکو خداوند تعالےٰ نے دین اسلام کے احکام عبادات و معاملات میں ودیعت رکھا ہے اور جو کسی دوسرے دین کی تعلیمات میں پائے نہیں جاتے۔ جو کچھ ہم مرتب کرتے ساتھ ہی اُسکا فرانسیسی اور انگریزی زبانوں میں بھی ترجمہ کر لیا جاتا۔ انگریزی ترجمہ مسٹر جارنیف کے سپرد ہوتا تھا تاکہ وہ جاپانی زبان میں اُس کا ترجمہ کرکے جاپانیوں کو سُنائیں۔ چنانچہ مسٹر موصوف جو کچھ تقریر کرتے اور حاضرین کو سُناتے تھے، لوگ اپنی نوٹ بک (یادداشت) میں اسکو لکھتے جاتے تھے۔

اس باب میں سب سے پہلے ہمنے نماز کا بیان شروع کیا۔ ان لکچروں میں نماز کے جو فوائد وغیرہ بیان کیئے گئے تھے اُنکو یہاں باختصار ذکر کرتا ہوں۔ پہلے ہمنے نماز کے دن رات میں پانچ مرتبہ مقرر ہونے پر ایک لکچر دیا کہ" پانچ وقت نماز کا ادا کرنا نفس

کی کسل اور کاہلی دور کرتا محنت کی عادت دلاتا اور مستعدی پیدا کرتا ہے اور اس بات کی بھی تعلیم و
ترغیب دیتا ہے کہ جو کام جس وقت کے لیئے ہے اُسکو اُسی وقت کرنا چاہیئے یہ پانچ وقت نماز
کی پابندی ہمیں پابندی اوقات کا سبق دیتی ہے اور بتلاتی ہے کہ اس کے ادا کرنے میں تاخیر کرنا
اور اُس کے وقت کا ٹالدینا موجب خسران عظیم اور مصلحت ایزدی کے خلاف ہے۔ یہ نماز
بندوں کو خداوند تعالےٰ کی ذات و صفات کا علم حاصل کراتی اور اس کے ذکر و فکر کی راہ بتاتی
ہے کیونکہ جب بندہ رات اور دن میں پانچ مرتبہ اپنے خداوند کے سامنے کھڑا ہو کر اپنی عاجزی
ظاہر کرتا گڑگڑاتا خشوع خضوع کرتا اپنی خطاؤں کی خداوند تعالےٰ سے مغفرت چاہتا اور
خدا کا فضل و کرم اور اُس کی مدد طلب کرتا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ اُس سے کسقدر تہذیب نفس
حاصل ہو سکتی اور گناہوں سے کتنا نفور ہو سکتا ہے۔

باجماعت نماز ادا کرنے کو منفرداً (اکیلے) نماز پڑھنے پر فضیلت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تنہا
نماز ادا کرنے میں انفراد ہے اور انفراد اتحاد کے خلاف ہے۔ اور جماعت میں اتحاد و اتفاق پایا
جاتا ہے جو ہر کام میں صلاح و فلاح کا سبب اور ترقی کا اصل اصول ہے۔ نیز باجماعت نماز
میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس سے عدل اور مساوات قائم کرنا اور برتنے کا سلیقہ آتا ہے
چنانچہ تم اِس مساوات کو دیکھو کہ نماز کی صف میں ایک بڑا امیر جو پرتکلف کپڑے زیب تن کیئے
ہوئے ہو اور ایک فقیر و مسکین جس کے بدن پر پُرانے پھٹے اور بدبودار کپڑے ہوں دونوں
برابر دوش بدوش کھڑے ہوتے ہیں۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ایک مسلمان کو اپنے
دوسرے مسلمان بھائی پر مال و دولت اور جاہ و حشمت کی وجہ سے شرف و فضل نہیں
ہوتا بلکہ فضل و شرف تقوےٰ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور یہ عدل و انصاف کا انتہائی مرتبہ ہے
نماز باجماعت میں ایک امام مقرر کیا جاتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ سرداروں اور
امیروں کی اطاعت اور اُنکی پیروی اچھی بات ہے بلکہ قابل تعریف صفت ہے۔

چونکہ پنجوقتی جماعت اکثر ایک گھر یا زیادہ سے زیادہ ایک محلہ کے لوگوں ہی کو جمع کرسکتی
ہے اس لیئے شارع علیہ السلام نے جو حکیم است تھے ہفتہ میں ایک روز یعنی جمعہ کا دن
ایسا مقرر فرمایا کہ اُس دن شہر کے لوگ ایک مسجد میں جمع ہو کر خدا تعالیٰ کی عبادت

کریں کیونکہ شہر کے بہت سے لوگوں کا ایک جگہ جمع ہونا زیادہ اتحاد کا موجب ہے ۔ اسی طرح سال میں دو نمازیں عیدین کی مقرر کی گئی ہیں یہ جمعہ سے زیادہ عام ہیں کیونکہ عیدین میں شہر اور اطراف و جوانب کے تمام لوگ یک وقت اکٹھا ہوا ور باہم ملتے جلتے ہیں۔

اور ہر نماز میں خشوع و خضوع اور اطمینان و تعدیل ارکان اور آداب قولی و فعلی کا شرط ہونا اس وجہ سے ہے کہ ہر کام میں اطمینان اور تعدیل ۔ اور جلدی نہ کرنا فلاح و بہبودی کا ایک بڑا سبب ہے ۔ نیز اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اپنے سے بڑے کے آگے ادب بجالانا ضرور ہے ۔ اور جھکنا اور خاک پر پیشانی رکھنا اور زمین پر سر رگڑنا جو انتہا سے تذلل ہے اس سے نفس کے کبر و غرور کا توڑنا اور کسر نفسی و خاکساری کا سبق ہے ۔ جسم و جا سے نماز وغیرہ کا پاک رکھنا اور نجاست سے بچنا اس میں اشارہ اور تعلیم ہے کہ انسان اپنے تئیں پاک و صاف رکھے ۔ تاکہ میل کچیل بدبو اور ناپاکی وغیرہ جن سے طبیعت نفرت کرتی ہے اُن سے دور رہے اور یہ بھی مدعا ہے کہ جب ظاہری طہارت بھی باطنی لطافت کے ساتھ جمع ہو جائیگی تو لوگوں کے دل ایسے آدمی کی طرف زیادہ مائل ہونگے اور سب کی نظروں میں اُسکی بہت وقعت ہو جائیگی۔

نماز میں اور بھی بہت سے فوائد ہیں جنکو عقل سلیم والا آدمی خوب سمجھ سکتا ہے ۔ تقرر اوقات اور ترتیب معروف میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہر عاقل کو ہر کام کے لیئے ایک وقت مقرر رکھنا لازم اور ایک مقررہ انتظام پر چلنا واجب ہے ورنہ انضباط اوقات نہ کرنے سے اور وقت کی پابندی کا خیال نہ کرنے سے بلکہ اپنے کاموں کو یوں ہی چھوڑ دینے سے بیکاری اور تضیع اوقات کے علاوہ اور بھی بہتیرے نقصانات پیدا ہوتے ہیں ۔

اس سفرنامہ کے دیباچہ اور بعض دیگر مقامات میں بھی میں یہ بات لکھ چکا ہوں کہ اس کتاب میں بعینہٖ اُن پورے لکچروں کا نقل کرنا مجھے مقصود نہیں جو کہ جاپان میں دیئے گئے تھے ۔ کیونکہ تمام لکچروں اور تقریروں کا نقل کرنا اس سفرنامہ کے موضوع سے بالکل خارج ہے اور گویا ایک مذہبی کتاب کا تصنیف کرنا ہے نہ کہ سفرنامہ کا لکھنا ۔ لہذا میں نے صرف خلاصہ مطلب اُن لکچروں کا نقل کیا ہے اور ایسا ہی آگے بھی کرونگا

مختصر یہ ہے کہ جس طرح ہم اسلام کی صداقت وحقانیت اور توحید و رسالت اور قرآن کے متعلق شرح وبسط سے تقریریں کرتے تھے اسی طرح اسلامی قواعد و ارکان خمسہ پر مدلل و مفصل لکچر دیتے اور نماز و روزے اور زکوٰۃ و حج کے فوائد و اسرار اہل جاپان کو سُناتے تھے۔

توحید کے بارے میں ہم اُن سے یہ بیان کرتے تھے کہ خداوند تعالےٰ۔ واحد ویکتا ہے اُس کے ملک وسلطنت (اور کسی بات) میں کوئی اُسکا شریک نہیں اور یہ کہ وہ خداوند جسم وجہت سے بری اور منزّہ ہے اور ہر شئے پر قادر ہے، اُس کی وحدانیت کی ایک (معمولی) دلیل یہ ہے کہ اگر اُس کا کوئی شریک ہوتا تو عالم اور زمین و آسمان میں فساد پیدا ہو جاتا کیونکہ شرکت اس بات کو مقتضی ہے کہ دو خود مختار شریکوں میں بہتیرے امور و انتظامات میں اختلاف واقع ہوا اور باہم نا اتفاقی پیدا ہو، اور ان دو خدا کی نا اتفاقی اور باہمی لڑائی جھگڑائی میں ضروری ایک غالب ہوگا اور دوسرا مغلوب۔ مغلوبیت ضعف اور کمزوری کی دلیل ہے اور یہ صفات ربوبیت اور خدائی شان کے بالکل خلاف ہے"۔ غرض اسی قسم کی باتیں ہم کمال وضاحت سے بیان کرکے اُنکے ذہن نشین کردیتے تھے۔

نماز

ہم نماز بیان میں وضو اور نماز کے ہر ایک فعل و رکن وغیرہ کی حکمت بیان کرتے اور اُنکو اس طور پر سمجھاتے تھے کہ:۔

"اگر انسان کسی بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونے کا قصد کرتا ہے یا کسی معزز آدمی کی ملاقات کو جاتا ہے تو ضرور پہلے اپنے جسم کو پاک وصاف کرتا، اور غسل کرکے کپڑے بدلتا ہے۔ پھر جب انسان مسجد کا رُخ کرے جو رب العالمین کے دربار کی جگہ ہے اور جب تمام بادشاہوں کے بادشاہ اور احکم الحاکمین کے سامنے کھڑا ہو تو کیوں وضو کرکے اور ہاتھ منہ دھوکے اپنے تئیں پاک وصاف نہ کرلے۔ اور جس طرح آدمی اپنے بڑے

بزرگ کے آگے ادب و احترام اور سکون کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے، اسی طرح نماز میں اپنے مولائے اکبر خدائے تعالے کے حضور میں ہاتھ باندھکر، یا چھوڑ کر ہی سہی۔ خشوع و خضوع کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے، کبھی نہایت ادب و احترام سے سر جھکا دیتا، اور رکوع میں چلا جاتا ہے، اور کبھی اپنی غایت عاجزی و خاکساری اور نیازمندی کے اظہار کے لئے اُس کے آگے خاک پر سربسجود ہوجاتا ہے اور اس سے اپنی خطاؤں کی مغفرت چاہتا اور اپنی غلطیوں سے درگذر کرنے کی التجا کرتا ہے تاکہ خداوند تعالے اُس سے راضی ہو۔

جماعت

نماز باجماعت میں جیسا کہ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں یہ حکمت ہے۔ کہ جماعت سے اتحاد و اتفاق کا سبق حاصل ہوتا ہے، نیز اس میں ہر مسلمان کے حقوق کی مساوات کی طرف اشارہ ہے چنانچہ امیر سے امیر اور غریب سے غریب دونوں دوش بدوش کھڑے ہوتے ہیں۔ جس سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ ایک کو دوسرے پر کوئی فضل مال وجاہ کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ فضل صرف تقویٰ کی وجہ سے ہوسکتا ہے "اِنَّ اکرمکم عند اللہ اتقاکم" یعنی سب سے بزرگ خدائے تعالے کے نزدیک تم میں سے وہ شخص ہے جو زیادہ متقی ہو۔ اور صف بندی میں یہ اشارہ ہے کہ ہر کام میں ایک انتظام اور قاعدہ کی پابندی ہونا چاہیئے۔ اور قبلہ کی طرف متوجہ ہونے میں یہ اشارہ ہے کہ تمام نمازی گویا اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ ہم سب کے سب ایک ہی دین "اسلام" کے متبع اور مسلمان ہیں۔ اور نماز کے پانچوں وقت میں قرب و بعد کے ہونے میں یہ لطیف اشارہ ہے کہ ہر کام کو اُس کے مناسب وقت پر کرنا چاہیئے کیونکہ نماز فجر اور ظہر کے درمیان کا وقت فکر معاش وغیرہ میں بسر ہوتا ہے تو جب تقریباً چھ، سات گھنٹے دنیاوی کام دھندوں میں گذر گئے تو اب خدا کی یاد بھی کرلینا چاہیئے۔ اس لیئے وہ وقت نماز ظہر کے لئے رکھا

گیا - اور نماز ظہر سے لیکر عصر تک اور عصر سے مغرب تک کے وقت میں کم تعبد ہے،
اس وجہ سے کہ ان وقتوں میں انسان کو دنیاوی کام دھندے میں کم مصروفیت
رہتی ہے اس لیئے اُس کو اپنے دینی فرائض کے ادا کرنے کا بخوبی موقع ہے اور
جس طرح دن کا افتتاح نماز صبح سے ہوتا ہے اُسیطرح اس کا اختتام نماز
مغرب پر ہوتا ہے اور نماز عشاء میں یہ حکمت ہے کہ جس طرح دن فکر معاش کے
لیئے ہے اسی طرح رات سونے اور آرام کرنے کے لیے بنائی گئی ہے جیسا کہ ارشاد
خداوندی ہے "وجعلنا اللیل لباساً وجعلنا النہار معاشاً" (رات ہمنے آرام
وراحت کرنے کے لیئے بنائی اور دن فکر معاش کے لیئے) تو جس طرح صبح کو اُٹھتے
ہوئے ہم خدا کی یاد کرتے اور نماز صبح ادا کرتے ہیں اُسیطرح شب کو سوتے
ہوئے بھی اپنے پروردگار کے آگے سر بسجود ہولینا چاہیئے۔
جمعہ و عیدین اور اذان و امامت کے متعلق بھی ہم اُن سے یوں ہی بیان
کرتے تھے ۔ مثلاً

نماز جمعہ

"چونکہ شارع نے پنجوقتی جماعت کو اُس مقصد کے لیئے کافی ندیکھا جو اُس
میں ملحوظ ہے - یعنی اتفاق و اتحاد اور اجتماع باہمی - اس لیئے ہفتہ میں ایک دن
جمعہ کا مقرر فرمایا تاکہ شہر کے تمام مسلمان مسجد میں جمع ہو کر اپنی قومی زندگی و ترقی،
اور اُخروی سعادت و نجات کے متعلق مواعظ حسنہ سُنیں، چنانچہ اُس دن
خطیب ممبر پر چڑھکر لکچر دیتا اور قوم کو بدعات و سیئات سے اور اُن مفاسد سے
جو اخلاق کے لیئے مُضر اور آداب و تہذیب کے خلاف ہیں آگاہ کرتا، اور ایک دوسرے
کی معاونت، اور اتحاد، اور گناہوں سے بچنے اور نیک اعمال اختیار کرنے اور دینی
واسلامی شعائر کے قائم رکھنے، وغیرہ وغیرہ کی ہدایت کرتا ہے - اور اس میں
کوئی شک نہیں کہ ہر ہفتہ مسلمانوں کا اسطرح اکٹھا ہونا اور پند و نصائح (خطبہ)

کاشننا، قومی رشتۂ اخوت و اتحاد کو زیادہ مضبوط کرنے والا۔ قوم کو اُس کے دینی اور دُنیوی مشکلات و مہمات کے لیے ایک مضبوط ہاتھ بٹا دینے والا ہے بشرطیکہ قوم بھی اُن خطبوں کے مضامین اور اُن اوامر و نواہی پر عمل کرے جو اُن میں بیان ہوتے ہیں

پھر شارع نے قوم کو اس اتحاد کی تعلیم دینے میں اور بھی اعلیٰ درجہ کی ترقی کر کے عیدین کی نماز مقرر کی۔ تاکہ اُس دن سب مسلمان اظہار فرحت و سرور کریں ایک دوسرے سے ملیں مجلسیں، معانقہ و مصافحہ، اتفاق اور محبت کے برتاؤ، دعوت و مدارات آپس میں تبادلۂ خیالات کریں اور باہمی اتحاد کی بنیاد کو مضبوط کریں چنانچہ عید کے دن ایک مسکین مسافر، نووارد شہر اہل شہر سے اس طرح ملتا ہے کہ گویا وہ انہیں لوگوں کے کنبہ کا ایک ممبر یا اُنکا ایک قرابت دار ہے۔

اِس دن تمام مسلمان خوشیاں مناتے، عمدہ اور اچھے کپڑے پہنتے اور فقراء کی خبر گیری کرتے، اور صدقات و خیرات کر کے غربا و مساکین کو بھی اپنی طرح خوش دل کرتے ہیں۔ اور چونکہ عید الفطر میں پورے شہر کے لوگ جمع نہیں ہوتے اس لیئے عید قرباں (عید اضحیٰ) کی نماز بھی پھر واجب کی گئی تاکہ تمام ممالک کے مسلمان اس دن مقدس مقام (مقام حج) میں جمع ہوں اور باوجود اختلاف جنس اور اختلاف وطن اور دوری بلاد کے وہ ایک دوسرے سے اس طرح ملیں کہ گویا سب ایک گروہ اور ایک کنبہ کے افراد ہیں۔ اور حج کے بیان میں انشاء اللہ تعالےٰ اس کا مفصّل ذکر کیا جائے گا۔

اذان

آذان کی بھی بڑی بڑی حکمتیں ہیں، لوگ فکر معاش و کسب رزق میں مشغول ہونے کی وجہ سے، اداے فرض (نماز) کے وقت سے غافل ہو جاتے ہیں لہٰذا نمازیوں کے ہوشیار کرنے، اور نماز کا وقت آجانے، کی خبر دینے کے لیے شارع نے اذان مقرر فرمائی تاکہ اور مشغلوں کو چھوڑ کر نماز کے لئے مستعد ہو جائیں۔ اذان کے الفاظ میں یہ بھی

اشارہ رکھا گیا ہے کہ "نماز اور سب دینی و دُنیوی کاموں سے بہتر عمل ہے"۔ چنانچہ موذن یوں پُکارتا ہے "حیّ علی الصلوٰۃ حیّ علی الفلاح" جس کا مطلب یہ ہے کہ نماز کے لیئے دوڑو جو تمھارے لیے فلاح و بہبودی کا باعث ہے اور حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کا یہ اجتماع اور سب کا مل کر ایک ایسے فرض کا ادا کرنا جو دینی و دنیوی فوائد کا باعث ہے یہی بڑی فلاح اور اُن کا اعلیٰ درجہ ہے۔

شارع نے اعلان اوقات نماز کے لیئے اذان کا طریقہ بتایا۔ اور ناقوس یا اسی قسم کی کوئی دوسری شئے جس کے ذریعہ سے مسلمانوں کو اوقات نماز کی خبر ہوجایا کرے مقرر نہ فرمائی۔ اذان میں اس بات کا بھی اعلام ہوا کرتا ہے کہ "نماز بڑے فلاح کی چیز ہے اور اس سے بڑھکر کوئی عمل نہیں ہے"۔ اور ناقوس وغیرہ سے یہ فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔ ورنہ اگر اذان کے عوض میں کوئی اور شئے مقرر ہوتی تو مسلمانان مصر و ہندوستان کے لیئے وقت زوال کی توپ ہی نماز ظہر کا وقت بتانے کو کافی ہوتی۔

امامت

امامت میں یہ راز مخفی ہے کہ انسان پر ہر ایک اچھے عمل اور فعل میں دیندار اور عقلمند آدمیوں کی اقتدا کرنا لازم ہے۔ اور اس سے بڑھکر امامت میں یہ خوبی ہے کہ امام نائب ہوتا ہے خلیفۂ وقت کا، اور خلیفہ نائب ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تو مسلمانوں کا پیش نماز کی اقتدا کرنا گویا درحقیقت رسولِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اقتدا کرنا ہے، اور اسی لیئے امام کا عالِم، متقی، پرہیزگار، اور ایسے عیوب سے پاک ہونا شرط ہے جنکی وجہ سے لوگ اُس سے نفرت کریں۔

جب مسلمان نماز کے لیئے جمع ہوتے ہیں تو امام ایسے شخص کو بنایا جاتا ہے جو سب سے صالح اور سِن میں بڑا ہو، اور اگر صلاحیت و پرہیزگاری میں ایک دوسرے سے اعلیٰ نہ ہوں تو جو سِن میں سب سے بڑا ہو وہ شخص امام ہوتا ہے کیونکہ وہ عقل و شعور میں اوروں سے زیادہ ہوگا۔ اور چونکہ امام کو ان اعلیٰ صفات میں ممتاز

ہونا چاہیئے، اسی لیئے شارع نے فرمایا کہ "حر، عبد کی اقتدا نہ کرے۔ اور اسی قسم کے اور بھی امتیازات امام ہونے کے لیئے رکھے گئے ہیں۔

زکوٰۃ

مذہب، عقل، عرف اور اخلاق کی رو سے ہر ایک آدمی کا فرض ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال اور اقارب کی خبر گیری کرے اور اُنکی ممکن مدد کرتا رہے، جو اُن میں حاجتمند ہوں اُنکی روپیہ پیسہ وغیرہ سے اعانت کرے۔ مذہب اسلام نے تمام مسلمانوں کو اخوت اسلامی کے رشتہ میں پرو کر ایک کنبہ اور قبیلہ کے مانند بنا دیا ہے اُن کے دولتمند اور فارغ البال اشخاص پر خداوند تعالےٰ نے یہ فرض کر دیا کہ وہ اپنی قوم کے فقرا و مساکین پر جود اور سخاوت اور اپنے مال کی زکوٰۃ نکال کر اُن کی مدد کریں تاکہ وہ مسکین و مجبور لوگ سوال کی ذلت سے محفوظ رہیں۔ زکوٰۃ کے اور بھی بہتیرے فوائد ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ اس ذریعہ سے دینی جمعیت اور اسلامی قوت زیادہ مستحکم ہوتی ہے۔ کیونکہ امیر لوگ غربا کی مدد و اعانت کرتے رہیں گے تو اس طرح مسلمانوں کے ہر طبقہ میں باہمی محبت و اخوت کی بنیاد مستحکم ہوتی رہے گی۔ اور جب زکوٰۃ کے مال سے فقرا و اہل حاجت کی خبر گیری کی جائے گی تو ممالک اسلامیہ میں عام طور سے امن و اماں پھیلا رہے گا۔ چوری اور ڈاکہ زنی کی وارداتیں نہونگی اور ہونگی تو بہت کم۔ کیونکہ اکثر ان جرائم کا ارتکاب وہی لوگ کرتے ہیں جو فقیر اور غریب ہوتے ہیں اور اپنی غربت و مفلسی کے باعث ایسا ناکردنی کام کرتے ہیں۔ بغض و حسد جو فتنہ و فساد اور خاندانوں کی تباہی کا بڑا سبب ہے دور ہو جائے گا۔ جو لوگ ذوی القربےٰ و فقرا کے ساتھ سلوک کریں گے اُن سے بجائے تحاسد کے لوگ محبت کریں گے۔ نیز زکوٰۃ نکالنا، "مال کا پاک کرنا" ہے جسکی بدولت برکت اور مال میں زیادتی حاصل ہوتی ہے۔

زکوٰۃ سے شارع کی ایک غرض یہ بھی ہے کہ "کرم" کی تعلیم دیجائے جو تمام

خوبیوں کی جڑ ہے، اور "بخل" سے نفرت دلائی جائے۔ جو سب سے بڑی خصلت ہے۔ نیز اس سے نفس پر غلبہ حاصل ہوتا ہے کیونکہ مال سے نفس کو بڑی محبت ہوتی ہے اور وہ ضرور اُس کے خرچ کرنے میں بخل کرتا ہے۔ غرض اسی طرح کے بہت سی حکمتیں اور فائدے ہیں۔

صَوْم

دِن میں کھانے اور پینے کی چیزوں اور مباشرت سے پرہیز کرنے کا نام صَوْم یا "روزہ" ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اِس میں یہ رمز رکھا ہے کہ نفس کو ایسی چیزوں سے روکا جائے جو اُسے قوت اور حیات تازہ بخشتی ہیں اور وہ یہی کھانا پینا ہے اس لیئے سال میں چند دنوں کے لیئے ایک وقت مقررہ تک ان چیزوں سے رُکے رہنے کا حکم ہوا تاکہ نفس امّارہ کی قوت گھٹ کر اُسکا شر کم ہو اور نفسانی خواہشوں کو روکنے اور پرہیزگاری کی عادت حاصل ہو۔ اور اصل نفس کُشی اور تذلیل نفس اسی کا نام ہے پھر اِس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ تھوڑی سی بھوک صحت کے لیے مفید ہوتی ہے کیونکہ شہوانی خواہشات کا زیادہ تر اُسیوقت غلبہ ہوتا ہے جب کہ پیٹ بھرا ہوا اور کھانے پینے سے سیری حاصل ہو۔ اور غلبہ خواہشات میں جو مضرتیں ہیں وہ کسی پر مخفی نہیں۔

روزہ ماہ رمضان المبارک میں فرض کیا گیا۔ اسی مہینے میں قرآن مجید نازل ہوا تھا یعنی اُس کے نزول کا تکملہ اسی ماہ مبارک میں ہوا لہٰذا اِسی میں روزے کی فرضیت ایک عظیم الشان کام کی یادگار ہے۔ اہل اسلام اس مہینے میں بہتیرے گناہ ترک کر دیتے ہیں۔ تارک الصلوٰۃ نماز شروع کر دیتا ہے شرابخوار بادہ وساغر اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے۔ بخیل صدقات وخیرات کرتا اور مسکینوں یتیموں اور بھوکوں کو کھانا کھلاتا ہے۔ اور ایسے ہی بدکار بدکاری سے باز آ جاتا ہے۔ غرضکہ تمام بُرے کاموں کا بازار اس زمانہ میں سرد ہو جاتا ہے۔

روزہ اسلام کے ارکان خمسہ میں سے ایک رکن ہے۔ اس میں شارع

نے اور بھی حکمتیں رکھی ہیں۔ مثلاً مسلمانوں کو امین بنانا اور امانت داری کی ترغیب دینا۔ یہ اِس طرح کہ جب انسان اپنے نفس کو کھانے پینے سے خداوند تعالےٰ کی مرضی و اطاعت کے لیئے روکے تو یہ امر بمنزلہ ایک امانت رکھنے اور امین بننے کے ہے وہ اپنے گھر میں تنہا ہوتا ہے اُس کے سامنے طرح طرح کی غذا ئیں موجود ہوتی ہیں اور اگر وہ کھالے تو کوئی بھی اس سے آگاہ نہیں ہوسکتا۔ مگر پھر بھی وہ اپنے نفس کو کھانے پینے سے باز رکھتا ہے اور یہ اعلیٰ درجہ کی امانت داری ہے کہ جس چیز میں خیانت کرنے کا نہ کسی کو علم ہو سکے اور نہ کوئی اُس کے خائن پر جرم خیانت ثابت کرسکے اُس سے بھی انسان اپنی تئیں محفوظ رکھے۔ اور اس طرح روزہ حفظ امانت کا بھی سبق پڑھاتا ہے۔ پھر اس میں شیطان اور نفس امّارہ کی مخالفت بھی ہے کیونکہ ایسے موقع پر جبکہ انسان کو تخلیہ حاصل ہو اور کسی کے اطلاع پانے کا بھی ڈر نہ ہو شیطان بُرے کاموں اور خداوند تعالےٰ کی نافرمانیوں کے بڑے بڑے وسوسے دل میں پیدا کرتا اور نفس کو بہکاتا ہے۔ پس اس سے بچنا نفس کو مغلوب کرنا اور دبانا ہے جو روزہ سے مقصود ہے۔

غرض روزے میں بڑی بڑی خوبیاں ہیں اور اس کی بدولت وہ وہ خوبیاں اور فضیلتیں حاصل ہوتی ہیں جو کمالات انسانیہ کے لیئے زیور ہیں اور جنکا حاصل کرنا انسان پر لازمی اور ضروری ہے۔

حج

حج کے متعلق ہمنے ذرا زیادہ تفصیل سے کام لیا۔ جاپانی حج کی فضیلتوں اور فائدوں کو سمجھنے کی بہ نسبت اور امور کے اس سے زیادہ دلچسپی لیتے تھے ہمنے حج کے متعلق اُن کو یوں سمجھایا:۔

اسلام نے مسلمانوں میں اُخوت اسلامی کا رشتہ قائم کرکے اُن کو ایک خاندان و کنبہ کے افراد کی حیثیت دی ہے۔ خداوند تعالےٰ اِس کے متعلق خود فرماتا ہے۔

"انما المومنون اخوۃ" (مسلمان تو سب آپس میں ایک دوسرے کے بھائی بند ہیں)
اور حضور پرنور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "المومن للمومن کالبنیان یشد بعضہ
بعضاً" ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے حق میں مثل ایک دیوار کی اینٹوں
کے ہے کہ ایک دوسرے کو مضبوط اور قوی کرتا ہے۔ اور ایک کنبہ اور خاندان کے
افراد آپس میں ملاقات بات کرتے اور ہمیشہ ملتے جلتے رہتے ہیں۔ اسی غرض و مصلحت
کے لیئے خداوند تعالےٰ نے مسلمانوں پر حج فرض کیا تاکہ تمام دنیا سے ہر جنس ہر ملک
اور ہر جگہ کے مسلمان ایک جگہ فراہم ہوں اور ایک دوسرے سے ملیں۔ ترک مسلمان
چینی مسلمان سے تعارف حاصل کرے۔ ہندی، رومی کو پہچانے۔ عربی، انگلستانی سے
جان پہچان پیدا کرے۔ مصری، شامی سے واقفیت حاصل کرے۔ اور مغربی یمنی
سے ملے وقس علے ہذا۔ غرض ایک دوسرے سے تعارف اور اخوت و محبت
کا رابطہ بڑھائے۔ اور ہر جگہ کا مسلمان دوسری جگہ کے مسلمانوں کے احوال اور اُنکی
ملکی و قومی حالتوں کو معلوم اور وہاں کی ترقی، تمدن، تجارت، اور زراعت وغیرہ
سے واقفیت پیدا کرے۔ غرضکہ اس طرح پر گویا تمام دنیا کے سارے مسلمان ایک
مجتمع ہوتے ہیں کیونکہ ہر ایک شخص اپنے ملک اور اپنی قوم کا نمونہ ہوا کرتا ہے۔

ہم نے جاپانیوں سے یہ بھی بیان کیا کہ "حج اسلامی جمعیت کی تقویت کا اعلےٰ
سبب ہے اور اس سے یورپ بھی خوف کھاتا رہتا ہے۔" اور اسیطرح ہم نے
اُنکو تمام مناسک حج مثلاً طواف، قربانی و فدیہ، عرفہ میں ٹھہرنا۔ منیٰ میں جمع ہونا وغیرہ
سب کے فوائد اور حکمتیں بتائیں۔

اور اِن امور کے علاوہ رسالت و نبوت کے متعلق بھی ہم نے اس قوم کو
بہت کچھ سمجھایا۔ اور اُن کو آگاہ کیا کہ رسول خدا صلعم کی بعثت کے بعد اسلام کی دعوت
و اشاعت کیونکر شروع ہوئی اور کیونکر وہ رسول اُمّی صلعم خدا کی طرف سے ایسی
محترم کتاب (قرآن پاک) لائے جو انسان کی تمام دنیوی اور دینی سعادتوں کی
جامع ہے۔ نیز ہم اُن سے دینی و اسلامی آداب و احکام جو سلام و کلام اور باہمی

ملاقات، اور معاملات وغیرہ کے متعلق ہیں بیان کرتے اور حدود شرعیہ مثلاً قتل و جلد (کوڑے مارنا) وقطع (ہاتھ پاؤں وغیرہ کاٹنا) وغیرہ کی حکمتیں ذہن نشین کرتے تھے۔ پھر انکے ماسوا اور بھی متفرق قرآنی مواعظ ونصائح اُنھیں سناتے تھے:۔

کاش اگر اہل جاپان عربی زبان سے پوری واقفیت رکھتے تو جہاں تک میں خیال کرتا ہوں وہ اپنے اسلام لانے میں مبشرین اسلام یا ڈیلیگیٹوں کی ہدایت کے بھی محتاج نہ رہتے بلکہ اسلامی مذہبی کتابوں کو پڑھکر اور قرآنی باتوں سے آگاہ ہوکر بلا کسی کی تحریک کے خود بخود مشرف بہ اسلام ہوجاتے:۔

کانفرنس (تحقیقات مذاہب) کا انعقاد اور اُس کی وجہ

جنگ جاپان وروس۔ جاپانیوں کے لئے گویا بمنزلہ ایک آئینہ کے تھی۔ جسمیں اُنھوں نے اپنے اوصاف وعیوب پر نظر ڈالی اور اپنی ہیأت اجتماعی و حالت مجموعی کو بغور دیکھا تو اپنی قوم میں مجد و شرافت اور اُن تمام صفات کو موجود پایا جوکہ انسان کو عزت و وقعت کے اعلیٰ مرتبہ پر پہونچا دیتے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ اُنھوں نے اپنے مابین ایک ایسی شئے بھی پائی جو اُنھیں پسند نہ آئی اور وہ شئے اُنکا آبائی مذہب تھا۔ اُنھوں نے اپنے آبائی مذہبی اعتقادات کو جنھیں وہ تقلیدی طور پر مان رہے تھے۔ غور و تامل سے دیکھا تو اُنکو عقل کے مطابق نہ پایا۔ اور اُنھیں پسند نہ آیا کہ باوجود اس ترقی کے اُن میں کوئی ایسا دین و مذہب موجود نہ ہو جو اُن کے اس سیاسی و اخلاقی ترقی کے موافق وحسب حال ہو۔

اسی غرض سے اُن کے وزراے سلطنت اور علماء و فضلاء اور اہل علم وعقل اصحاب نے ایک کمیٹی کی اور اس میں ایک ایسے مذہب کے اختیار کرنے پر جو عقل سلیم کے مطابق ہو، بحث و مباحثات ہوئے اور یہ کہ وہی مذہب جو موافق عقل ہو ہماری (جاپانی) سلطنت کا بھی مذہب قرار دیا جاے۔ اس میٹنگ کے شرکا میں بادون سوتانغو سابق وزیر داخلیہ بھی تھے اُنھوں نے

اس تجویز کی تائید کرتے ہوئے کہا:-

بارون سوتا نغو "بے شک ہماری متمدن قوم کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک ایسا دین اختیار کرے جو صحیح اصول کے مطابق اور ایسا معقول ہو کہ اس میں شبہ و شک کی گنجایش باقی نہ رہے۔

بیرن کے بعد انکی تائید میں کونٹ کاتسودہ" سابق وزیر اعظم نے کہا "میری رائے یہ ہے کہ ہم تمام متمدن سلطنتوں کی خدمات میں گورنمنٹ جاپان کی طرف سے باضابطہ خطوط بھیجیں تاکہ وہ لوگ اپنے اپنے مذاہب کے عالموں پادریوں، فلسفیوں اور لکچراروں کو یہاں بھیجیں۔ اور جب ہر ملک سے ایسے لوگ یہاں آکر جمع ہو جائیں تو ہم ایک دینی کانفرنس منعقد کریں جس میں ہر مذہب و ملت پر غور اور اسکی فلاسفی پر بحث کی جاوے اور ہر مذہب والا اپنے مذہب کے اصول و قواعد اور عقائد کو بہ توضیح و تشریح بیان کرے، پس جو مذہب ہم لوگوں کے نزدیک "سچا دین" ثابت ہو گا ہم اُسی کو اختیار کریں گے اور وہی مذہب ہماری سلطنت کا سرکاری ہو گا۔"

کونٹ جوافوش "اس بحث پر گفتگو ہونے سے پیشتر ہی میرا دماغ اس رائے کو قائم کر چکا تھا۔ لہٰذا میں بھی اسکی تائید کرتا ہوں" اور پھر اُنھوں نے بیان کیا کہ:-

"ماہ اگست ۱۹۰۵ء میں ایک چینی مسلمان جس کا نام "حسان نیوس" تھا جاپان میں آیا تھا۔ اُس نے اپنے دین "اسلام" کے متعلق ایک کتاب تالیف کی ہے۔ جسمیں اسلام کی حقانیت وغیرہ کے منصفانہ دلائل اور کافی و شافی بیانات لکھے ہیں۔ چنانچہ میں نے اُس کتاب کا مطالعہ کرکے مذہب اسلام کو دل سے پسند کیا ہے۔ لیکن افسوس کہ وہ شخص اپنی کتاب کی اشاعت جاپان میں نہیں کر سکا کیونکہ اُس وقت تک جاپانی قوم تلاش مذہب کی طرف مطلق متوجہ نہ تھی۔ مگر اب کہ آپ لوگ ایک ایسی کانفرنس کے انعقاد پر آمادہ ہیں جس میں ہر مذہب و ملت کے علماء جمع ہوں اور مذاہب عالم پر غور کیا جاوے۔ تو میں بھی اس خیال

کی نہایت زور سے تائید کرتا ہوں۔ اور جب آپ لوگ اس کام کو شروع کر دیں گے تو آپ کی تمام قوم بھی اس طرف متوجہ ہو جائے گی اور اس میں آپ کی پیروی کرے گی۔ اور چونکہ مذہب کے بارے میں ہر شخص آزاد ہے اس لیئے میری ذاتی راے یہ ہے کہ ہماری قوم کا ہر فرد بشر آزاد اور مختار ہو۔ کہ وہ جس دین کو حق سمجھے اُسے قبول اور اختیار کرے ؎

مسٹر جرافوشش کی تقریر کے بعد باتفاق راے حاضریں یہ رزولیوشن پاس ہو گیا کہ ہر ملک سے ہر مذہب و ملت کے علماء و فضلاء طلب کیئے جائیں تاکہ جاپان میں ایک عام مذہبی انجمن منعقد ہو۔

اِس تحریک کی موافقت اور تائید کرنے والوں میں اول نمبر کونٹ ھیجیکان کا اور پھر بادون سون کا نمبر تھا۔ کونٹ ھیجیکان شہنشاہ میکاڈو کے گہرے دوست اور مصاحب ہیں۔ شاہ موصوف ہر اہم اور قابل غور و فکر معاملہ میں اُن سے ضرور مشورہ لیا کرتے ہیں۔ اور دوسرے صاحب سابق وزیر مال ہیں۔ لیکن میکاڈو کے نزدیک یہ بھی عزت اور وقعت میں ھیجیکان سے کم نہیں۔ یہ دونوں صاحب شائستگی و تہذیب، حکمت و تدبیر اور سیاسی امور کی عقدہ کشائی میں بہت بڑا ملکہ رکھتے اور تمام جاپانیوں سے ان باتوں میں ممتاز ہیں۔

اِس راے اور مشورہ کے بعد یہ بات جلالتمآب شاہنشاہ میکاڈو کے حضور میں پیش کی گئی اُنھوں نے بھی اس سے اتفاق کیا اور فرمان شاہی صادر فرمایا کہ دُول عظمیٰ سے اِس بارہ میں باضابطہ نامہ و پیام کیا جاوے۔ چنانچہ تمام سلطنتوں کے نام خطوط بھیجے گئے۔ اور ہماری دولت علیہ (ٹرکی) کو اس خصوص میں سب پر مقدم رکھا گیا۔ اس کے بعد سلطنت فرانس اور دولت انگلستان پھر اٹلی پھر ولایات متحدہ امریکا۔ اور جرمنی کو کل مذہبی کانفرنس میں دعوت شرکت دیگئی۔

اِن ممالک میں میکاڈو کا یہ ارادہ مشہور و معلوم ہوا کہ وہ تحقیقات مذاہب کی کانفرنس کرنا چاہتا ہے۔ تو دُول عظام نے اپنے اپنے مذہب و ملت کے علماء و فضلاء

کو فوراً جاپان روانہ کیا۔ اگرچہ یہ سب سلطنتیں ہماری دولت علیہ عثمانیہ کے سوا عیسائی
مذہب ہونے کی حیثیت سے ایک ہی مذہب کی پابند ہیں مگر پھر بھی ہر سلطنت سے علیحدہ
علیحدہ قائم مقام بھیجے گئے۔ اس لیئے کہ ان مسیحیوں کے متعدد فرقے ہیں جو ایک دوسرے
سے بالکل مختلف ہیں۔ مثلاً رومن کیتھولک۔ ارتھوڈکس اور پروٹسٹانٹ وغیرہ وغیرہ
اِن مختلف ممالک کے دینی وفود کا جاپان میں ورود ہوا۔ اہل جاپان نے اُن کا
حسب حال اعزاز واکرام کیا۔ اور خاطر و مدارات میں نہایت اہتمام سے کام لیا۔ اور
کانفرنس کا پہلا جلسہ ماہ مارچ ۱۹۰۶ء کے آغاز میں منعقد ہوا۔

کانفرنس کے ڈیلیگیٹ

ہر جگہ کے ڈیلیگیٹ اپنی اپنی سلطنتوں کی طرف سے کانفرنس مذکور کی شرکت کے
لیئے شاہنشاہ میکاڈو کے حسب الطلب جاپان میں پہنچے تو اُنکا خاطر خواہ استقبال کیا
گیا اور ہر ایک کے قیام کے لیئے الگ الگ مکلف مکانات وغیرہ کا اُس کی ذاتی وجاہت
اور اُس کی سلطنت کے دبدبہ و شوکت کے مطابق انتظام ہوا۔ یوں تو ہر قسم کے
ضروری سامان اُنکی راحت کے مہیا تھے۔ مگر کھانے پینے کا اہتمام گورنمنٹ جاپان کی طرف
سے کچھ بھی نہ تھا۔ اس نقص کی وجہ بُخل۔ یا مہمان نوازی کی عادت نہونا نہیں کہی جاسکتی
بلکہ اِس کی حقیقی علت اور وجہ یہ ہے کہ ہر ایک ملک و سلطنت سے آنے والے وفود
کے مرغوب کھانے اور اُنکے پکانے اور کھلانے کا طریقہ اہل جاپان کو معلوم نہ تھا۔
بدیں سبب ڈیلیگیٹوں کو اپنی خوراک کا انتظام کرنے کی آزادی دی گئی تھی اور اُس کا
انتظام خود اُنھیں لوگوں پر چھوڑ دیا گیا تھا۔

مختلف مذاہب کی نوارد جماعت نے اُن عیسائی مشنریوں میں جو اُس وقت
جاپان میں موجود تھے سخت تردد پھیلا دیا۔ اور عام اس سے کہ وہ پراٹسٹانٹ تھے یا
آرتھوڈکس یا رومن کیتھولک سب ہی نئے تبلیغ کرنے والوں کی صورتیں دیکھ کر گھبرا
اُٹھے۔ تازہ وارد جماعت مشنری جاپان میں عرصہ سے اقامت رکھنے والے مشنریان

مذہب مسیحی سے ملے۔ اور اُن کی مذہبی تبلیغ اور اشاعت مذہب کی کوششوں کا نتیجہ دریافت کیا اور یہ معلوم کرنا چاہا کہ اہل جاپان کس مذہب کی طرف بالعموم زیادہ میلان رکھتے ہیں۔ قدیم مشنریوں نے اس سوال کا جو کچھ جواب دیا اُس کا خلاصہ یہ تھا۔

"ہم اِسکا کوئی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے اور نہ اِس بارہ میں کوئی صحیح رائے قائم کر سکتے ہیں کہ کونسا مذہب جاپانیوں کے زیادہ موافق ہے۔ اور وہ اُس کی طرف زیادہ تر مائل ہیں۔ کیونکہ پہلے اس قوم کے بہتیرے لوگوں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا۔ پھر جب ہمنے عیسائی مذہب کے اُصول اور اُس کی تعلیمات اُنھیں بوضاحت تمام سمجھائیں۔ اور اس میں بڑی جانفشانی سے کام لیا تو وہ لوگ بجاے راسخ العقیدہ ہونے کے اُلٹے برگشتہ ہو گئے اُن تمام باتوں سے جو ہمنے اپنے مذہب کی خوبیوں کے متعلق اُنھیں سمجھائی تھیں۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ کس چیز نے اُن لوگوں کو ہمارے مذہب سے نفرت دلائی حالانکہ ہم اُن کے ایسے شکوک وغیرہ کے ازالہ و دفعیہ کی سخت کوشش کرتے رہے جو اُن کے دل و دماغ میں پیدا ہوتے تھے۔ بعض لوگ عیسائی مذہب کو قبول کر کے ایک عرصہ تک عیسائی رہ کر اور اُس کی تعلیمات پر عمل کر کے اس سے پھر گئے اور کونفوشیوس کے مذہب کے پیرو ہو گئے۔ اِن لوگوں کا دعوے ہے کہ دو مذہب کونفوشیوس کی معمولی خوبی اچھے........ میں الفت اور اتفاق و اتحاد باہمی پیدا کرنا ہے"۔ مگر جب ہم اس مذہب کی تعلیمات پر نظر کرتے ہیں تو خرافات اور اوہام باطلہ اور اعتقادات فاسدہ کے سوا اس میں کچھ نہیں پاتے۔

خیر کچھ ہی ہو مگر دین عیسوی کو قبول کرنے کے بعد اُس سے اُنکا پھر جانا کوئی سبب ضرور رکھتا ہے۔ اگر اس کا سبب یہ کہا جاے کہ مسیحی مذہب دلوں کا ملانیوالا اور اتفاق و اتحاد پیدا کرنے والا نہیں ہے تو یہ محض غلطی ہے۔ کیونکہ مسیحی مذہب جو یہاں تک حکم فرماتا ہے کہ جو "تمھارے ساتھ بُرائی کرے تم اُس کے ساتھ بھی احسان کرو اور اُس سے درگذر کرو" اس کی نسبت یہ کہنا کہ وہ دلوں میں یگانگت اور اتحاد پیدا کرنے والا مذہب نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف ہے ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا۔

اور اگر یہ لوگ دین عیسوی کو عقل کے موافق نہیں سمجھتے بلکہ مخالف عقل کہتے ہیں تو انھیں لازم تھا کہ اپنے شکوک و اعتراضات کو پیش کرکے اور غیر مطابق ہونے کے وجوہ بتلا کر اپنے دعوے کو مدلل کرتے۔

اور جب ہم اُن امور سے قطع نظر کرتے ہیں تو یہ دیکھتے ہیں کہ مذہب کونفوشیوس کے متبعین، اُن لوگوں کے ساتھ جنھوں نے عیسائی مذہب اختیار کرلیا ہے پورا میل اور اتفاق و اتحاد رکھتے ہیں۔ اور شاید بلکہ غالباً اس اتحاد و اتفاق کی وجہ جو ان دونوں فرقوں میں ہے اُن لوگوں کا حُبِّ وطن اور جنسی اتحاد ہے جو باوجود مذہبی اختلافات کے تمام جاپانیوں میں یکساں موجود ہے۔ اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جاپانی قوم حُبِ وطن میں کس قدر غرق و فنا ہے۔

اب ہم لوگ چند وجوہ سے سخت حیران و پریشان ہیں اول اس امر سے کہ جاپانی قوم کسی ایک مذہب پر قائم نہیں رہتی اور عیسائی مذہب کو قبول کرکے اُس سے پھر جاتی ہے۔ دوسرے اُن کوششہائے بلیغہ اور سخت محنتوں اور جانفشانیوں کی ناکامی سے جو کہ جاپانیوں کو دین مسیحی کے ہدایت کرنے میں ہم ہر لحظہ برداشت کر رہے ہیں۔ تیسرے اس صرف کثیر سے جو اپنے مذہب کی اشاعت میں ہمیں کرنا پڑتا ہے یہ مصارف صرف ہمارے اپنے کھانے پینے اور ملبس و مسکن تک ختم نہیں ہوتے بلکہ جو غربائے اہل جاپان کہ اس مذہب عیسوی میں داخل ہوتے ہیں اُن کی خبر گیری و اعانت میں بھی ہم بہت کچھ خرچ کرتے ہیں۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ اس قدر سلوک کرنے اور اُن کی ذات پر زر کثیر صرف کرنے کے باوجود وہ عیسائی مذہب کو چھوڑ دیتے اور اُس سے مرتد ہو جاتے ہیں۔

جبکہ جاپان میں پوری پوری اور ہر طرح کی مذہبی آزادی حاصل ہے اور اسپر بھی ہم باوجود مدت دراز تک یہاں رہنے اور ہدایت کرنے کے کامیاب نہیں ہوئے تو جس وقت کہ یہ آزادی موجود نہ ہوتی اُس وقت خدا جانے ہمیں کیسی دقت و مصیبت پیش آتی۔

سب سے عجیب و غریب بات یہ ہے کہ بہتیرے جاپانی بچوں کو ہم نے اپنی پرورش میں لیا، اُن کو اپنے اسکولوں میں تعلیم دی کھانے پینے اور اس کے علاوہ ان کی ذات میں ہم نے زر کثیر صرف کیا۔ مگر وہ لوگ بھی باوجود ہماری اس قدر تعلیم و تربیت کے بجائے ہمارے مذہب میں داخل ہونے کے ہم سے نہایت مذہبی مخالفت رکھتے ہیں۔ اور ایسے لوگ معدودے چند نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔

غرض ہمیں چند در چند مشکلات کا سامنا ہے۔ اِن لوگوں کا مذہب عیسوی میں داخل ہو ہو کر مرتد ہو جانا، مصارف کثیرہ سے ہمارا زیر بار ہونا، اشاعت و ہدایت دین عیسوی میں دل توڑ کے کوششیں کرتے کرتے تھک جانا۔ عجیب دقتیں ہیں جن سے ہم لوگ پریشان اور متحیر ہیں (کہ کیا کیا جائے)"۔

بیچارے نو واردوں نے جوان لوگوں کی یہ باتیں سُنیں اور سخت کوششوں پر بھی اُنکی ناکامی کا حال معلوم کیا تو سخت فکر مند ہوئے اور بولے۔

"جب یہ لوگ عرصہ دراز سے یہاں رہنے اور زر کثیر صرف کرنے اور متعدد مدارس واسکول قائم کرنے پر بھی پورے کامیاب نہ ہوئے۔ تو ہم لوگ جو ابھی ابھی یہاں آئے ہیں۔ کیونکر کامیاب ہو سکیں گے"۔ اس پر اُن مشنریوں نے کہا کہ

"آپ لوگ ناامید نہ ہوں بلکہ آپ لوگ تا امکان خود کانفرنس کے جلسوں میں ثابت قدمی کے ساتھ اپنے مذہب کی طرف لوگوں کو ہدایت کریں۔ اور ہماری مشکلات کو خیال میں لاکر آپ اپنی سعی سے باز نہ رہیں۔ کیونکہ آپ لوگ ایک ایسی کانفرنس میں شریک ہونے والے ہیں جس کے شرکاء تمام اعیان دولت و ممبران قوم ہوں گے۔ شاید آپ لوگوں کی کوشش سے وہ سب کے سب عیسائی مذہب کو پسند کریں اور اسی کو قبول کرلیں۔ اور جب یہ لوگ ایسا کریں گے یعنے مذہب عیسوی کو اختیار کرلیں گے تو اوسط درجہ کے لوگ اُن کی پیروی کریں گے اور ادنیٰ اتباع ادنےٰ طبقہ کے لوگ بھی کرلیں گے۔ کیونکہ جس کام کو یہ لوگ دیکھیں گے کہ اُن کی قوم کے بڑے بڑے مدبرین و عقلا کر رہے ہیں تو یہ لوگ بھی اُن کے تابع ہو کر

اُس کام کو کرنے لگیں گے۔

غرض تمھاری کامیابی کے لیے یہ کافی ہے کہ ایک گروہ اعیان جاپان کا دین عیسوی کا پیرو ہو جائے۔

لیکن مشنریوں کے اس کلام کو ان لوگوں نے نہ اچھی نظر سے دیکھا اور نہ پسند کیا۔ اور جواب دیا کہ "تمہارے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگ جانتے ہی کہ عقلاء و رؤساے قوم کو کس طرح اپنی طرف متوجہ و مائل کیا جاتا ہے حالانکہ سالہا سال سے تم لوگ یہاں مقیم ہو اور مذہبی تبلیغ و ہدایت کرتے ہو۔ لیکن تم معمولی لوگوں کو بھی جنھیں کسی مذہبی مسئلہ پر گفتگو اور بحث کی بھی قدرت حاصل نہیں اپنی طرف مائل اور اپنا ہمخیال نہ بنا سکے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ لوگ تبشیر و ہدایت کے اصول و قواعد اور لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے طریقوں سے بالکل جاہل اور ناواقف ہیں"

مگر میں جہاں تک خیال کرتا ہوں اور ہر عاقل منصف اسکو بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ عیسائی مشنریوں کے جاپانیوں کے دلوں کو اپنے اور اپنے مذہب کی طرف متوجہ و مائل نہ کر سکنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ مذہب کے بارے میں سمجھ بوجھ اور تحقیق سے کام لینا چاہتے ہیں اور جو مذہب اُن کی عقل میں نہیں جچتا وہ اُس کے قائل نہیں ہوتے۔

لہذا ان ڈیلیگیٹوں کو کوئی حق نہیں تھا کہ قدیم مشنریوں کو اس بارے میں نکما ٹھہرائیں اور اُنکو جاہل و ناواقف قرار دیں کیونکہ اہل جاپان نے ہمعصروں سے ایک مثل سکھی جو اُن کی قوم میں مشہور ہے اُنسے معاملہ برتا ہے اور وہ مثل یہ ہے کہ "اکرم الغریب ولا تھمل نوایاہ" پردیسی کی خاطرداری کرو اور اُسکی نیت سے غافل رہو۔

"کانفرنس تحقیقات مذاہب کا پہلا جلسہ"

ہر ایک سلطنت کے ڈیلیگیٹ دارالحکومت جاپان میں پہونچ گئے تو میکاڈو

کے حسب فرمان کانفرنس منعقد کی گئی ممبران و شرکائے جلسہ میں دولت جاپان کے ایک سو بیس ایسے معززین و بزرگان شریک تھے جن میں اہل علم و فضل فیلسوف وزراء و ارکین سلطنت، علماء پالیٹکس، مدبرین ملک لیڈران قوم اور دیگر ماہرین علوم و فنون اور اصحاب فہم سب ہی قسم کے آدمی تھے۔

اس جلسہ کے پریسیڈنٹ (صدر انجمن) خود شاہ میکاڈو تھے۔ افتتاح جلسہ کے وقت پہلے حاضرین کو اس کانفرنس کے اصولی ضابطہ سے یوں مطلع کر دیا گیا کہ۔

"اس کانفرنس کی غرض تحقیقات مذاہب اور ہر اس دین و ملت کے اصول کی تحقیق، اور اس پر غور اور بحث کرنا ہے جس کے متبعین اور پیرو یہ چاہتے ہوں کہ اہل جاپان اس مذہب کو قبول کریں۔ مگر شرط یہ ہے کہ تمام دلائل و براہین جو اہل مذاہب اپنے اپنے مذہب کی صحت و حقیت پر پیش کریں وہ مطابق و موافق عقل ہوں، ورنہ تحقیق اور بحث کی کوئی ضرورت نہیں ہے"۔

اس کے بعد ہماری دولت علیہ کا ایک ڈیلیگیٹ کھڑا ہوا اور ایک تقریر کی جس کا حاصل یہ تھا کہ "جیسا کہ اس کانفرنس نے تجویز کی ہے کہ ہر اہل دین و مذہب پر لازم اور واجب ہے کہ اپنے مذہب و ملت کے اصول و قواعد کو جن دلائل و براہین سے ثابت کرے وہ مطابق عقل ہوں۔ میں اس بات کا وعدہ اور ذمہ کرتا ہوں کہ جو برہان و دلیل کہ میں اپنے مذہب "دین اسلام" کی سچائی و صحت پر قائم کرونگا وہ دائرۂ معقولات سے خارج نہ ہوگی۔ علاوہ ازیں کہ اسلام کے کلی امور ہوں یا جزوی امور ان میں سب کو دلائل عقلیہ ہی سے ثابت اور بیان کرونگا کیونکہ شارع اسلام نے دین اسلام کے اصول و قواعد کو بیفائدہ وضع نہیں کیا بلکہ تمام اوامر و نواہی اور ہر قسم کے معاملات و عبادات مشروعہ میں کوئی حکمت بالغہ ضرور رکھی ہے۔ اور جو اعتراض یا سوال و شبہہ مذہب اسلام کے متعلق کسی کی طرف سے کیا جائے گا۔ میں اس کے جواب کا بھی ذمہ دار

ہوں۔ بشرطیکہ وہ سوال یا اعتراض اُن امور سے متعلق ہوں جو اصل دین سے تعلق رکھتے ہیں"۔

پھر کونٹ ھیجیکان کھڑے ہوئے اور فرمایا۔

جبکہ معزز عثمانی قائم مقام نے اس کانفرنس کے مقصود انعقاد پر خاص توجہ کی اور اپنی نسبت یہ شرط اور وعدہ فرمالیا کہ جو دلائل و براہین وہ دین اسلام کی صداقت وصحت پر بیان کریں گے۔ اور نیز لوگوں کے شبہات و اعتراضات و سوالات جو دین اسلام پر وارد ہوں گے اُن کے جو جوابات وہ دیں گے سب عقل سلیم کے مطابق ہوں گے۔ تو بسم اللہ جس بابت کی اُنھوں نے ذمہ داری فرمائی ہے اُسے شروع کریں اور اس کار خیر کی ابتدا جناب موصوف ہی سے ہوگی۔ یہ کہکر وہ بیٹھ گئے اور عثمانی ڈیلیگیٹ نے کھڑے ہو کر فرانسیسی زبان میں اسپیچ دی جسکا خلاصہ یہ ہے:۔

حضرات معززین جاپان! خداوند پاک کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ جب اُس نے اپنے فرستادہ پیغمبروں کو اُن قوموں اور امتوں کی طرف بھیجا جو اُس خداوند حقیقی کے سوا اوروں کی پرستش کرنے لگی تھیں، تو ہرایک کو ایسے معجزات اور اس طرح کی تعلیمات دیکر بھیجے جو اُن امتوں اور قوموں کے احوال اور اطوار کے مناسب ہوں۔ تاکہ خداوند تعالےٰ کی حجت اُن لوگوں پر تمام اور اُس نبی کا دعوی بھی مدلل اور پُر نور ہو جاسے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم ہرایک نبی کی سیرت و تاریخ زندگی پر نظر کرتے اور اس کے اُن تمام معجزات وغیرہ پر جن کے ذریعہ سے خداے تعالےٰ نے اس نبی کی تائید فرمائی تھی اطلاع حاصل کرتے ہیں۔ تو ہم دیکھتے ہیں کہ مثلاً سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت اور اُن کے معجزات سیدنا موسےٰ علیہ السلام کی شریعت اور اُن کے معجزات سے علیحدہ اور جداگانہ ہیں۔ اور اسی طرح ہرنبی کی شریعت اور اُس کے معجزات دوسرے نبی کی شریعت کے احکام و معجزات سے کچھ مختلف اور علیحدہ نظر آئیں گے۔ اور اس اختلاف کا

بجز اِس کے کوئی سبب نہیں کہ ہر نبی کی امت دوسرے نبی کی امت و قوم سے اپنے
معتقدات وخیالات اور رسم و رواج وغیرہ کے اعتبار سے مغائر ہوتی تھی۔ اِس
اجمال کی تفصیل یوں سمجھو کہ جب اللہ تعالےٰ نے سیدنا موسیٰ پیغمبر علیہ السلام کو فرعون
کی طرف اُس کی ہدایت کے لیئے بھیجا (فرعون مصر کا بادشاہ تھا اور وہاں کے سلاطین
کا لقب ”فرعون“ ہوتا تھا) اُس وقت اُس سرکش کی سرکشی خداوند تعالےٰ کے
حضور میں یہاں تک بڑھ گئی تھی کہ تمام روے زمین پر اپنی ربوبیت و الوہیت کا دعوےٰ
کرتا تھا۔ اُس کی بلند پروازی اِس حد تک پہونچ گئی تھی کہ آسمان پر بھی اپنی قدرت
کا اثر جمانا چاہتا تھا اور وہاں کے رموز سے آگاہ ہونے کی فکر کرتا تھا۔ اور اُس کا
غرور اس درجہ بڑھ گیا تھا کہ مصریوں سے کہنے لگا۔ انا ربکم الاعلیٰ (تم لوگوں کا پروردگار
اور رب اعلیٰ میں ہوں) اور اس کے غرور مملکت نے اِس قدر ترقی کی تھی کہ کہتا تھا
”الیس لی ملک مصر وہذہ الانہار تجری من تحتی“ (کیا ملک مصر میرے قبضہ میں
نہیں ہے اور کیا میرے نیچے نہریں جاری نہیں ہیں)۔

آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پاس آئے اور خداے وحدہ لا
شریک پر ایمان لانے کی اُسے ہدایت کی، لیکن اُسے یہ امر نہایت گراں گذرا، ایمان
نہ لایا، بلکہ اور سرکشی کی۔ تو خداوند تعالےٰ نے اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کے بذریعۂ
معجزات تائید فرمائی۔ معجزہ اُن امور و افعال کا نام ہے جو خدائی تائید اور روحانی
قوت کے ذریعہ سے بطور خرق عادت کے کسی پیغمبر کے ہاتھ پر ظاہر ہوں اور وہ
تمام بشر کی قدرت و طاقت سے باہر ہوں۔ چنانچہ منجملہ اُن آیات و معجزات کے جو
حضرت موسیٰ کو خداے تعالےٰ نے دیئے اُس ملک اور اُس قوم کے تمام
گھروں میں جوؤں اور مینڈکوں کا اس کثرت سے پیدا ہونا تھا جس سے وہ
لوگ سخت پریشان و حیران ہوئے اور اُن کا فرضی جھوٹا معبود ”فرعون“
اِس مصیبت سے نہ اپنے کو بچا سکا نہ قوم کو۔ اور از انجملہ تمام دریاؤں اور
کنوؤں کے پانی کا خون ہو جانا حتیٰ کہ پیاس کے مارے اُن لوگوں کے دم نکلنے

لگے - اور یہ ساری باتیں اِس لیئے تھیں تاکہ خداوند تعالےٰ فرعون اور اُس کے گروہ پر ظاہر اور ثابت کردے کہ وہ لوگ محض بندۂ عاجز ہیں جنکو خداوند تعالیٰ کے مقابلہ میں کسی قسم کی کوئی قدرت حاصل نہیں - اور یہ کہ اگر فرعون حقیقۃً معبود اور خداوند ہوتا (معاذ اللہ من ذٰلک) تو ہرگز اُن مصائب کے دفع کرنے سے عاجز نہ ہوتا جو اسپر اور اس کی قوم پر بھیجے گئے -

چونکہ اس زمانہ میں سحر اور جادو عالمگیر تھا اور اس فن کے بڑے بڑے ماہرین موجود تھے، اُن لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ "موسیٰ بڑا ساحر ہے" - اس پر موسےٰ علیہ السلام نے اُن کی تردید کرکے اُن سے مناظرہ کی درخواست کی تاکہ قوم پر یہ ثابت کردیں کہ وہ ساحر نہیں ہیں بلکہ خدا کے فرستادہ اور رسول ہیں - چنانچہ فرعون نے ایک پرشوکت جلسہ کے منعقد کرنے کا حکم دیا جس میں بڑے بڑے مشہور جادوگر اور ماہرین فن سحر شریک ہوں - اور تمام شہر و قریہ میں ہرکاروں کو روانہ کیا تاکہ تمام عالمان و ماہران فن سحر و جادوگری کو اکٹھا کریں اور جلسہ کا دن یوم الزینۃ - (میلہ کا دن) اور وقت صبح اور چاشت کا مقرر ہوا - جب وقت مقررہ آپہونچا اور تمام ساحرین جمع ہوئے جنمیں سے بیشتر اور بڑے بڑے ماہرین فن قصبہ عین شمس ملک مصر کے رہنے والے تھے - تو فرعون نے اُن کو اجازت دی کہ اپنا عمل (جادو) شروع کریں اور حضرت موسےٰ کو ہرا دیں چنانچہ انھوں نے اپنا کرتب اور جادو کر دکھایا یعنی اپنی لاٹھیاں اور رسیاں زمین میں ڈالدیں تو وہ سب سانپ بنکر دوڑتے ہوئے نظر آنے لگے اور ساری زمین سانپوں سے اسقدر بھر گئی کہ وہ ایک خوفناک اور پرخطر منظر ہو گیا - تب خدائے تعالیٰ نے اپنے پیغمبر موسےٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ وہ بھی میدان میں اپنی لاٹھی چھوڑ دیں موسےٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈالدیا اور وہ ایک بڑا اژدھا بن کر اُن جادوگروں کے سارے سانپوں کو ہڑپ کر گیا - فرعون اور اس کی ذریات و تبعیں خدائی قدرت کا یہ عجیب ماجرا دیکھکر بہت گھبرائے، اُن جادوگروں کو جنہوں نے یہ عمل کیا تھا

اسی وقت اعتقاد اور یقین ہو گیا کہ موسیٰ کا یہ فعل ساحروں کی قدرت سے بالاتر بلکہ انسانی طاقت سے باہر ہے لہذا بے شک یہ نبیِ صادق اور رسول برحق ہیں وہ فی الفور حضرت موسے پر ایمان لے آئے اور خدا سے تعالےٰ کے حضور میں سجدے میں گر پڑے اور کہنے لگے "آمنّا برب ہارون و موسیٰ" ہم ہارون اور موسے کے پروردگار پر ایمان لائے۔

لیکن فرعون باوجود حضرت موسےٰ کے مقابلہ میں ساحروں کے کھلم کھلا عاجز ہو جانے اور حق کے صاف غالب آنے کے بھی اپنی عزت اور غرور سلطنت کی وجہ سے ایمان نہ لایا اور خداوند تعالےٰ کی نافرمانی سے باز نہ آیا بلکہ اس نے ان ایمان لانے والے ساحروں سے کہا۔

"یقیناً یہ موسے تم لوگوں کا بڑا استاد ہے جس نے تمکو یہ سحر سکھلایا ہے تو اب ضرور ہم تمھارے ہاتھ اور پاؤں الٹے کاٹ ڈالیں گے اور تم کو کھجوروں کے تنوں پر سولی چڑھائیں گے کیونکہ تم ہماری بے اجازت موسے پر کیوں ایمان لے آئے؟"

لیکن وہ ایمان کے پکے اپنے ایمان سے نہ ڈگے۔ کیونکہ حق، قطعی و یقینی طور پر ان پر ثابت ہو چکا تھا، انکی عقل سلیم اس کو قبول نہیں کر سکتی تھی کہ حضرت موسے نے جو کچھ کیا وہ جادو کے طور پر تھا کیونکہ ساحروں نے کوشش بلیغ صرف کرکے بہت پر زور جادو دکھایا تھا اور اپنی طاقت بھر کوئی دقیقہ انھوں نے اعلیٰ سے اعلیٰ سحر کے لانے میں فروگذاشت نہ کیا تھا اور حضرت موسےٰ نے اُس کو ایک ادنےٰ اشارے میں بالکل باطل کر دیا تو یہ محض آسمانی تائید اور روحانی قوت تھی نہ کہ سحر اور جادو۔

جب فرعون نے کوئی صورت حضرت موسےٰ کی حجت باطل کرنے کی نہ پائی تو اپنی قوت و سلطنت پر گھمنڈ کرنے لگا اور اپنی شوکت کے ذریعہ سے انکو زیر کرنا چاہا اُس وقت خداے تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ وہ اُن لوگوں کو جو قوم بنی اسرائیل میں سے مومن ہو گئے ہیں ہمراہ لے کر مصر سے

نکل جائیں۔ حسب الحکم حضرت موسیٰ مصر سے نکل چلے۔ فرعون نے بھی آپ کا پیچھا کیا۔
یہاں تک کہ جب موسیٰ علیہ السلام بحر احمر کے کنارے پہونچ گئے تو خدائے تعالیٰ نے
حکم کیا کہ دریا پر اپنا عصا ر مار آپ نے اپنا عصا مارا تو دریا بحکم الٰہی دو نصف ہو کر بیچ
میں رستہ بنگیا۔ حضرت موسیٰ اور اُن کی قوم اُسی راستہ سے گذر کر دریا کے اُس
پار ہو گئے۔ فرعون اور اُس کے لشکر نے بھی اسی راستہ سے اِنکا پیچھا کیا اور خدائے
تعالیٰ نے بیچ دریا میں لاکر اُسکو اور اُس کی قوم کو غرق کردیا۔ فرعون جب
ہلاک ہونے لگا تو اُس وقت چلایا کہ میں اُس خدائے پاک پر ایمان لایا جس پر
بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں۔ مگر اس وقت اُس کا ایمان لانا قبول اور باعث
نجات نہ ہوا کیونکہ اُس نے محض جان بچانے کے لیئے یہ کلمہ زبان سے نکالا تھا
ورنہ اگر سچا مومن ہوتا تو پہلے ہی ایمان لے آتا جبکہ بڑے بڑے آیات بیّنات اور
معجزات اُسے دکھائے گئے تھے اور ایمان کی اُسے ہدایت کی گئی تھی۔

اسی طرح اس واقعہ کے بعد بھی حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو
ایسے معجزات دکھائے جن کو عقل قبول کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ یہ خداوند تعالیٰ کی
قدرت کا ظہور ہے اور جو اُس قوم کی حالت کے مناسب تھے کیونکہ وہ لوگ
ایمان لانے کے بعد مرتد ہو گئے تھے اور پھر کفر سے ایمان کی طرف رجوع کرنے لگے
تھے اور حضرت موسیٰ اُن پر ایسی نشانیاں اور ایسے آیات پیش کرتے تھے
جو بشر کی قدرت سے خارج تھیں۔ مثلاً یہ کہ جب اُکی قوم نے پانی مانگا تو خداوند
تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ اپنے عصا کو پتھر پر مارو۔ موسیٰ نے تعمیل ارشاد
کی اور اُس پتھر سے بارہ چشمے پانی کے جاری ہو گئے۔

جاپانی بزرگو! یہ ہیں حضرت موسیٰ کے حالات و واقعات جو فرعون
اور اُس کی قوم کے ساتھ اُن کو پیش آئے۔ اس سے تم ... سمجھ سکتے
ہو کہ موسیٰ علیہ السلام نے جو دلائل نبوّت اور معجزات وغیرہ پیش لیے وہ اُس
زمانہ کے لوگوں اور اُس قوم کی حالت کے مطابق تھے۔

اسی طرح جب خداوند تعالے نے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام
کو نبی بنا کر بھیجا تو اُس زمانہ میں فن طبابت غایت درجہ کی ترقی پر تھا خداوند تعالے
نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی ایسے ایسے معجزات سے تائید کی اور وہ وہ اعجاز
اُن کو دیے جس سے اُس زمانہ کے اکابر اطباء بھی عاجز تھے، آپ بحکم الٰہی
کوڑھیوں، برص والوں اور اندھوں کو اچھا کر دیتے تھے اور مُردہ کو خداوند تعالیٰ
کے حکم سے زندہ کر دیتے تھے۔ غرض جتنے انبیاء آئے اُن کا یہی حال رہا۔

اسی طرح جب ہمارے نبی (آخر الزماں) سیدنا محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خداوند تعالے نے مبعوث فرمایا تو کھلے کھلے معجزات
اور آیات بینات سے اُنکی تائید فرمائی۔

اور اُن سب معجزات ونشانات میں سے بہت بڑا معجزہ اور آپ کی
صداقت کی بہت ہی کُھلی دلیل "قرآن پاک" ہے جس نے فصحاے عرب کے
مقابلے میں بڑے دعوے اور تحدّی سے کہا کہ اگر تم میں طاقت ہے تو اس کے
مانند کوئی کتاب بنا لاؤ۔ کیونکہ اس زمانہ میں اہل عرب فصاحت وبلاغت میں
اعلیٰ درجہ پر اور شہرۂ آفاق تھے اور اپنی فصاحت وبلاغت پر اُن کو بڑا غرّہ تھا
جب وہ لوگ اِس قرآن کا مثل لانے سے عاجز رہے تو کہنے لگے "یہ تو
کسی شاعر کا کلام ہے"۔ قرآن نے اُنھیں پھر چیلنج دیا اور کہا کہ اگر یہ قول شاعر
ہے تو تم میں بڑے بڑے شعراء موجود ہیں۔ تم سب کے سب مل کر ایک سورہ
یا ایک آیت ہی سہی قرآن کے مثل بنا لاؤ۔ مگر وہ اس سے بھی بالکل عاجز رہے

اسی طرح خود آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات بابرکات اور آپ
کی زبان پاک اور کلام معجز نظام بھی بجائے خود معجزہ تھا کہ باوجود اس کے کہ
آپ اُمّی تھے کچھ پڑھنا لکھنا نہ جانتے تھے لیکن آپ افصح العرب تھے اور
فصاحت اور بلاغت اور وعظ وتقریر میں تمام عرب سے زیادہ پایہ رکھتے تھے
آپ خداے تعالےٰ کی طرف سے شریعت اسلامیہ قوم کے پاس لائے

ور اُس کے اصول و قواعد کو منضبط فرمایا اور قوم عرب کو ایسے ایسے دینی امور کی تعلیم دی کہ ابتداے آفرینش سے لے کر آج تک کے بڑے سے بڑے علمائے متشرعین ویسی تعلیم نہیں دے سکتے۔

پس اِن آیات اور معجزوں کا ایک اُمّی شخص کی ذات سے ظاہر ہونا اور ایک محض اُمی کا جو بظاہر کچھ بھی لکھا پڑھا نہ ہو ایک ایسا دین متین اور شریعت بیضا، قوم کے پاس لانا اور لوگوں کو اُسکی تعلیم و ہدایت کرنا۔ اور قرآن پاک جیسا کلام معجز نظام اُس قوم کے روبرو لانا جو فصاحت و بلاغت میں مشہور اور اسپر نازاں تھی، اور پھر اُس کا اُس کلام پاک کے مقابلہ میں محض عاجز رہنا یہ بڑا ثبوت اور زبردست دلیل ہے کہ وہ اُمّی نبی بے شک سچے نبی تھے۔ اور اُن کا دین سچّا اور صحیح دین ہے جسکو عقل پورے طور پر قبول کرتی ہے۔

حضرات فضلاے جاپان! یہ باتیں میں نے اِس امر کے ثبوت میں پیش کی ہیں کہ صاحب شریعت اسلامیہ یعنی سیدنا محمد بن عبد اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نبی برحق اور خداوند تعالےٰ کے سچے رسول تھے۔ اب سنئے کہ اِس نبی کریم نے دین اسلام کا اصل اصول "توحید" کو بتلایا۔ یعنی خداوند تعالےٰ کو اُسکی ذات و صفات میں واحد و یکتا جاننا، اُسکی وحدانیت کی شہادت دینا، اور یہ اعتقاد کرنا کہ اُسکی مملکت میں کوئی اُس کا شریک نہیں، وہ ہر شئے پر قادر ہے اور اُسکی کوئی خاص شکل و صورت نہیں جو ان آنکھوں سے نظر آئے نہ اُسکے لئے کوئی مکان وجہت خاص ہے بلکہ ذہن اُس کی نسبت جو کچھ تصور کرتا ہے وہ اس سے برتر اور پاک ہے۔ اور نہ اُس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔

اُس خداوند تعالیٰ کا وحدہ لاشریک، اور اپنی ذات و صفات میں یگانہ و یکتا ہونا عقل کے نزدیک بالکل مقبول اور مسلم ہے کیونکہ اگر چند خدا ہوتے

تو آسمان و زمین درہم و برہم ہو جاتا کیونکہ اگر کئی معبود فرض کیے جائیں تو بحیثیت خداوند
و خود مختار اور قادر ہونے کے ضرور اُن کے آپس میں اختلافات پیدا ہوں گے۔ مثلاً ایک
خداوند ایک شے کی آفرینش کا قصد کرتا اور دوسرا اُس کے خلاف چاہتا ہے۔
اور اس منازعت کی خرابیاں مخفی نہیں اور قاعدہ عقلیہ بھی یہی ہے کہ ایک ہی عہدہ
اور ایک ہی کام پر چند حاکموں کا مقرر ہونا مصلحت کے خلاف اور کام کی خرابی کا باعث
ہوتا ہے۔ پس اگر خداوند تعالیٰ کا کوئی شریک ہوتا (معاذ اللہ منہ) تو نظام عالم بگڑ جاتا

لہ اس مقام پر میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اپنے حضرت والد ماجد صاحب قبلہ یعنی افتخار
العلماء افضل الفضلا تاج العرفا جناب قبلہ عالم حضرت مولانا مولوی حکیم حاجی قاری شاہ
محمد سلیمان صاحب قادری چشتی پھلواروی متع اللہ المسلمین بطول بقائہ کے لکچر انجمن
اسلامیہ ہردوئی موسوم بہ **اسلام اور عقل** سے چند جملے ہدیۂ ناظرین کروں۔
توحید کے ذکر میں دوران تقریر میں حضرت نے فرمایا کہ۔
" اُس خالق بے نیاز کے وحدہ لاشریک ہونے کا ثبوت اور عقلی دلیل
روزمرہ کے واقعات اور دنیاوی کارخانوں سے بخوبی مل سکتی ہے ہم دیکھتے
ہیں کہ دنیاوی نظام عالم و انتظام مملکت یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے حکام و عہدہ دار ڈپٹی کلکٹر
وغیرہ گو متعدد ہوتے ہیں لیکن شہر کا مجسٹریٹ متعدد نہیں بلکہ ایک ہوتا ہے پھر اور
آگے بڑھیے تو ضلع کا حاکم و سردار "کلکٹر" ایک ہی ہوتا ہے اور چند ضلعوں کا افسر
"کمشنر" بھی ایک۔ اس سے اوپر چلو تو تمھیں معلوم ہوگا کہ صوبہ بھر کا حاکم بھی ایک
ہی ہوتا ہے جو "لفٹنٹ گورنر" کہلاتا ہے۔ اس سے اوپر تمام ہندوستان کا وائسرائے
اور گورنر جنرل بھی ایک ہی ہوتا ہے پھر اور آگے بڑھو تو تمام ملک کا بادشاہ صرف
ایک ہی ہوتا ہے جیسے ہمارے ہندوستان کے بادشاہ آجکل ایڈورڈ ہفتم قیصر
ہند ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نظام عالم یوں ہی چل رہا ہے جہاں تک اوپر
جائیے گا تفرد اور وحدت ہی پائیے گا اور یہی اُس کے لیے مناسب بھی ہے
ورنہ اگر ایک بادشاہ کے بجائے ایک ملک میں دو بادشاہ ہوا کریں تو انتظام عالم

مثلاً ایک شریک یہ چاہتا کہ بحرِ ہند کو چٹیل میدان بنا دے اور دوسرے کی رغبت ہوتی کہ وہ ایسا ہی ہو جیسا کہ اب ہے۔ تو دونوں میں اختلاف واقع ہو جاتا۔ اب دو صورتیں ہیں، یا تو دونوں اتفاقِ رائے کر لیتے یا اختلاف ہی رکھتے۔ اگر دونوں خداوند متفق ہو جاتے تو یا بحرِ ہند بہ اتفاق خشک ہوتا، یا جس حالت پر ہے اُسی پر باقی رکھا جاتا۔ بہر تقدیر جس ایک کی خواہش و رغبت پوری ہوتی ظاہر ہے کہ اسی کی بات رہتی اور وہی غالب رہتا۔ اور دوسرے کی کمزوری ظاہر ہوتی کیونکہ اپنی خواہش سے عدول کر کے دوسرے کی خواہش و رغبت کے ساتھ متفق ہو جاتا اس کی کمزوری اور نقصِ قدرت کی دلیل ہے جو خدائی کی شان کے منافی ہے۔ اور اگر دونوں اختلاف رکھتے اور اپنی اپنی رائے پر قائم رہتے۔ تو آخر کوئی ایک دوسرے پر غالب آتا اور دوسرے کا عجز و کمزوری اور ضعف ثابت ہوتا اور یہ معبودیت اور خدائیت کی شان کے بالکل خلاف ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ تعددِ آلہ عقلاً باطل ہے اور موجبِ فسادِ عالم۔ بلکہ وہ خداوند جل جلالہ و عم نوالہ واحد و یکتا، لاشریک لہٗ ہے۔

اسیطرح اُسکا معیّن و محسوس ہونا بھی عقلاً محال اور باطل ہے کیونکہ اگر وہ خداوند عالم الغیب والشہادۃ متعیّن و محسوس ہوگا تو کسی جہت میں متحیز ہوگا اور جب اُس کے لیے جسم و جہت خاص ثابت ہوگا تو باقی جہات اُس

درست ہو سکے اور صد ہا خرابیاں واقع ہوں۔ تو اب غور کرو کہ خلاقِ عالم جو احکم الحاکمین اور رب العالمین مسام بادشاہوں کا بادشاہ سب حاکموں پر حاکم اور تمام کائنات اور جانوں کا خالق و مالک ہے۔ اُس کی شان کے لیئے کیا زیبا ہے اُسے ایک ہی ہونا چاہیے یا معاذ اللہ منہ دو یا تین یا بے انتہا؟ حضرات! عقلِ سلیم بڑے زور و شور سے کہہ رہی ہے کہ بے شک وہ پروردگار ایک، واحد و یکتا اور وحدہ لاشریک لہ ہے کوئی اس کا شریک، مثل اور ہمسر نہیں۔ اس ذاتِ پاک کے لیئے ہر طرح سے وحدانیت و فردانیت ہی لازم و ضروری ہے نہ کہ تعدد "لو کان فیہما آلہۃ الا اللہ لفسدتا"۔

سے خالی ہوں سکے اور یہ بات ہر ایک ذرہ موجودات کا عالم ہونے کے بھی منافی ہے
کیونکہ اس صورت میں اُسکا علم اُسی جہت میں منحصر ہوگا جس میں وہ ہوگا۔ اور یہ
اُس معبود و خالق عالم کی شان کے بالکل خلاف ہے جسپر زمین و آسمان کی کوئی چیز
مخفی و پوشیدہ نہیں بلکہ سب کچھ اُسپر ظاہر اور آشکارا ہے۔ اگر یہ کہا جاسے کہ ممکن
ہے خداوند کسی خاص جہت میں ہو مگر ہر جہات اور تمام کائنات کا علم رکھتا ہو۔
تو میں کہونگا کہ اُس ذات پاک کی کسی ایک جہت مخصوص میں ہونے اور دوسرے
جہات میں نہ ہونے کی وجہ اور ضرورت کیا ہے وہ تو بڑا ہی قدرت والا ہے
اور تمام عالم و کائنات اُسیکی ملک ہے اور وہ اس میں جس طور پر چاہتا ہے
تصرف فرماتا ہے۔

اگر کہا جاسے کہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو کر ہر جگہ کے اشیاء
کا علم حاصل کرتا ہے۔ تو میں کہونگا۔ اس نقل و حرکت کی وجہ اور سبب کیا
ہے۔ اگر یہ انتقال ایک جگہ سے دوسری جگہ۔ مخلوق کی نگہداشت و خبرداری
اور کائنات کے احوال معلوم کرنے کے لیئے ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ
وہ ایک وقت و ایک آن میں اپنی تمام مخلوقات اور سارے کائنات کے تفقد حال
اور اُسکی خبرداری و نگہداشت کرنے سے عاجز ہے اور اس سے اس کا
عجز اور عاجز و ناقص العلم و ناقص القدرت ہونا لازم آتا ہے معاذ اللہ جو بالکل
محال ہے۔ پس ثابت ہوا کہ وہ قادر مطلق کسی خاص جسم و جہت و مکان سے
بری اور برتر ہے مگر وہ اپنی قدرت کاملہ سے ہر جگہ ہر وقت موجود اور سب کچھ
سُننا، دیکھنا، جاننا اور ہر طرح کی قدرت رکھتا ہے۔ و سُبحان اللہ عما یشرکون۔

اور جس طرح وہ تمام نقصانات و آلایش جسمانی سے پاک ہے رشتہ
والدیت و مولودیت سے بھی پاک ہے کیونکہ یہ حادث کی شان ہے اور وہ
ذات جو قدیم اور ازلی و ابدی ہے اُن صفات سے جو حادث کا خاصہ ہیں اُسکو
بالکل پاک ہونا چاہیے۔

اگر باپ بیٹے کا سلسلہ اُس پاک خداوند کی ذات کے ساتھ بھی مانا جائے تو خالق و مخلوق میں بجائے امتیاز کے مشابہت لازم آئیگی حالانکہ اس معبود حقیقی کی شان یہ ہے اور ہونی چاہیئے کہ مخلوق کی مشابہت اور حادث کی شان سے غایت درجہ منزہ ہو۔ اگر اُسکو کسی کا باپ کہا جائے تو پھر اُس کا بھی کوئی باپ ہوگا۔ پھر اس کے باپ کا بھی باپ ہوگا اور اُس کا بھی باپ ہوگا و علی ہذا القیاس۔ غرض دورہ تسلسل اور بے شمار خداوند کا وجود لازم آئیگا اور بہتیرے مفاسد لازم آئیں گے جنکو عقل سلیم ہرگز ہرگز قبول اور تسلیم نہیں کرتی۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

الغرض خداوند عزوجل وحدہ لاشریک لہ اپنی ذات و صفات میں یگانہ و یکتا جسم و جہت اور مکان سے پاک اور بری ہے' نہ والد ہے کسی کا نہ ولد۔ ان تمام باتوں سے منزہ اور بالاتر ہے"۔

یہ ہے ڈیلیگیٹ عثمانی کی تقریر کا مُلخّص۔ اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو میں پورا لکچر حرف بہ حرف نقل کرتا۔ جس وقت جناب موصوف تقریر فرما رہے تھے' تمام حاضرین سکوت کے عالم میں گوش دل سُن رہے تھے' اور .... درمیان میں اُن لوگوں کے چہروں سے غور' حیرت' تعجب اور استعجاب کے علامات ظاہر ہوتی تھیں۔ کیونکہ ایک دوسرے کو گوشۂ چشم سے استعجاب اور تحیر کی نظر سے دیکھتا تھا۔ مگر جلسہ کی شوکت اور تہذیب کی وجہ سے سب کے سب سر جھکائے ہوئے خاموش بیٹھے نظر آتے تھے۔

اس کے بعد امریکن ڈیلیگیٹ نے کھڑے ہو کر کچھ تقریر کی اور کہا کہ "عثمانی ڈیلیگیٹ نے اپنی تقریر کے ضمن میں یہ بیان فرمایا ہے کہ موسے (علیہ السلام) نے دریا پر عصا مارا تو دریا اُن کے لیئے دو نصف ہو کر بیچ میں راستہ بنگیا۔ تو حضرت موسےٰ کے عصا مارنے سے دریا کا اُن کے لیئے دو نصف ہو جانا تاکہ وہ اسپر سے اپنی قوم کو لے کر گذر جائیں۔ ہم تسلیم نہیں کر سکتے کیونکہ

کسی انسان کے لیئے، چاہے وہ کسی رتبہ اور درجہ کا کیوں نہ ہو دریا شق نہیں ہوسکتا اور دریا میں اُس کے لیئے اس طور سے راستہ نہیں پیدا ہوسکتا بلکہ موسے اور اُن کی قوم جو دریا پار ہو کر بچ گئی اور فرعون اُس پر سے گذرتے ہوئے بیچ میں اپنے سارے لشکر کے ساتھ غرق ہو گیا تو اُسکی وجہ جیسا کہ بعض تواریخ سے پتہ ملتا ہے یہ ہے کہ اُس دریا میں بہت کثرت اور شدت سے مد و جذر ہوا کرتا تھا۔ موسےٰ جس وقت اس پر سے گذر کر اُس پار ہونے لگے، وہ دریا کے جزر کا وقت تھا یعنی دریا بالکل ہی گھٹا ہوا تھا۔ فرعون نے بھی اسی حالت میں اُن کا پیچھا کیا تھا۔ حضرت موسےٰ تو اپنی قوم کو لے کر صحیح سلامت اُس پار پہونچ گئے لیکن فرعون اور اُس کے لشکر کے بیچ دریا میں پہونچتے پہونچتے مد شروع ہو گیا اور باڑھ آ گئی جس سے وہ اور اُسکی ساری قوم غرق ہو گئی۔"

اسیطرح کی مہمل باتیں ڈیلیگیٹ موصوف بیان کرتے رہے۔ اور جب وہ چُپ ہوئے تو اُن کی تردید کے لیئے ہمارے عثمانی ڈیلیگیٹ پھر کھڑے ہوئے اور فرمایا

"معترض کو اعتراض کی کوئی وجہ نہیں۔ اول تو اس لیئے کہ دریا کا دو نصف ہو جانا اور موسیٰ علیہ السلام کا اُس پر سے گذر جانا۔ حضرت موسےٰ کا ایک معجزہ تھا اور معجزہ نام ہی ہے خرق عادت اور خلاف عادت امر کا۔

چونکہ حضرت موسےٰ نے اس قوم کو مختلف معجزے دکھلائے مگر وہ لوگ ایمان نہ لائے اور آپ کی تصدیق رسالت نہ کی اس لیئے خداوند تعالےٰ نے یہ ایک سب سے قوی معجزہ آپ کے ہاتھ پر ظاہر فرمایا۔ تاکہ اتمام حجت ہو جائے۔ نیز حضرت موسےٰ نے پہلے ہی اِسکی خبر دی تھی کہ ایک اور بڑا معجزہ ہماری نبوت کی دلیل اور ثبوت میں ظاہر ہوگا۔ اس سے مراد یہی واقعہ تھا۔ دوسرے اگر فرض کر لیا جائے کہ موسےٰ علیہ السلام کا دریا سے گذر جانا اور فرعون کا غرق ہو جانا کوئی معجزہ نہ تھا بلکہ صرف دریا کے مدّ و جزر کا نتیجہ تھا۔ تو بحر احمر جیسے سمندر بے پایاں

پس چاہے کیسا ہی جزر کیوں نہ ہو لیکن اسکی غایت گہرائی کی وجہ سے ممکن نہیں کہ کوئی انسان یوں اُس سے پار ہو سکے سوائے اس کے کہ کوئی تیراک شخص شناوری کے ذریعہ سے اس کو عبور کرے۔ لیکن حضرت موسیٰ کا اس ذریعہ سے پار ہونا بھی عقلاً ناممکن ہے کیونکہ اُن کے ساتھ اُن کی قوم کے مرد، عورتیں اور بچے اور مال و اسباب وغیرہ بہت کچھ تھا۔ اس قافلہ کے قافلہ کا شناوری کر کے پار ہونا بالکل محال ہے لہذا ضرور تسلیم کرنا ہوگا کہ ایک روحانی قوت اور آسمانی تائید کے ذریعہ سے وہ دریا سے پار ہوئے اور اُن کا دشمن ہلاک و برباد ہو گیا۔

اور اس سے قطع نظر کر کے ہم پوچھتے ہیں کہ آخر اُس خاص دن اور خاص وقت میں مدو جزر پیدا ہو جانے کی کیا وجہ تھی؟ ضرور یہی کہا جائیگا کہ حضرت موسیٰ کے حق میں خداوند تعالےٰ کی تائید اور مدد تھی اور یہی ہمارا مقصود و مطلوب ہے"

غرض عثمانی ڈیلیگیٹ نے اسی قسم کے جوابات دیے اور معترض کے شبہات کو عمدگی سے دفع کیے جس سے حاضرین جلسہ بہت محظوظ ہوئے اور پھر کسیکو چون وچرا کی جرأت نہ ہوئی۔

پھر دوسرا ڈیلیگیٹ سلطنت امریکا کا کھڑا ہوا اور اُس نے مذہب عیسوی کے اصول و قواعد اور عقاید پر تقریر کی۔ اس کے بعد اٹلی پھر جرمنی کے ڈیلیگیٹوں نے اسی مضمون (مذہب عیسوی) پر لکچر دیئے۔ چونکہ جلسہ کی کیفیت ملخص طور پر نقل کر رہا ہوں اس لیئے بخوف طوالت اُن کی تقریریں اس کتاب میں درج کرنے سے قاصر ہوں۔

خلاصہ کارروائی یہ تھی جو اوپر بیان ہوئی کانفرنس کے پہلے جلسہ کی۔ اسلامی ڈیلیگیٹ کے قابل قدر لکچر کی عام و خاص ہر ایک سوسائٹی میں دھوم اور اُن کی تقریر کا عام چرچا تھا۔

اہل جاپان اِس جلسہ سے جتنے خوش ہوئے تھے اُتنے ہی مسیحی مشنریوں کو کبیدگی خاطر تھی، کیونکہ اُنھیں ہرگز اسکی امید نہ تھی کہ اہل جاپان اس جلسہ میں مذہب اسلام کی طرف اسقدر اپنی توجہ مبذول کریں گے۔ لیکن حق ہمیشہ غالب رہتا ہے چاہے منکرین اس کے ابطال کی کتنی ہی کوشش کریں۔

کانفرنس مذکور کا دوسرا جلسہ

دوسرے دن پھر جلسہ منعقد ہوا اور تمام ممبران وشرکائے کانفرنس مجتمع ہوئے۔ پہلے کونٹ ھیچیکان نے کھڑے ہوکر فرمایا۔

"معزز ممبران وڈیلیگیٹ صاحبان ہم امید کرتے ہیں کہ آپ باہم ایسے ردوکدّ اور غیر مفید مناقشوں سے جو ہمارے فائدہ کے بجائے اور اُلجھاؤ کا باعث ہوں قطع نظر کرکے، اس کانفرنس کے انعقاد کی اصلی غرض کو فوت نہ ہونے دیں گے۔

اِس جلسہ کا اصلی مقصد یہ ہے کہ ہم اہل جاپان آپ لوگوں کے مذاہب سے واقفیت حاصل کرکے کسی ایک دین کو قبول کرلیں اور اُسکو حکومت جاپان کا مذہب قرار دیں۔ لہذا میری اور تمام حاضرین جلسہ کی یہ گزارش ہے کہ ہم لوگوں کے پاس اسقدر وسیع وقت نہیں ہے جو غیر ضروری جھگڑوں اور فضول مناقشات باہمی کے لیے کافی ہوسکے"، یہ کہکر وہ بیٹھ گئے اور عثمانی ڈیلیگیٹ کھڑے ہوئے آج اُنھوں نے اسلام کے معتقدات، احکام عبادات، اور دیگر تعلیمات کے متعلق شرح وبسط سے تقریر کی اور اُن اسلامی تعلیمات میں جو فوائد اور حکمتیں ہیں اُن کو نہایت وضاحت اور خوبی سے بیان فرمایا۔ پھر اطالی جرمنی اور امریکن ڈیلیگیٹوں نے یکے بعد دیگرے مذہب عیسوی کے متعلق بہت کچھ تقریریں کیں۔ بعد ازاں باہم ایک دوسرے کی تقریر پر شبہات اور مناقشات شروع ہوئے جنکا ذکر میں بخوف طوالت اور نیز اس ڈر سے

کہ بعض عیسائی جماعت مجھے مذہبی تعصب کے ساتھ نہ متہم کرے، غیر مناسب سمجھتا ہوں۔

جب یہ لوگ (اسلامی ڈیلیگیٹ کے ساتھ) مناظرہ ومناقشہ کرنے سے فارغ ہوئے تو جناب کونٹ کا تسوسرہ نے کھڑے ہو کر اور ڈیلیگیٹوں سے خطاب کر کے فرمایا۔

میرے محترم اور قابل وفاضل بزرگو! اس کانفرنس کے انعقاد سے ہمارا اصلی مقصد حاصل ہو چکا۔ اب بحث ومباحثات کی ضرورت نہیں۔ آپ لوگوں کے ادیان ومذاہب سے ہم نے آگاہی حاصل کر لی چنانچہ ہم میں بعض ایسے ہیں جنھوں نے مذہب اسلام کو پسند کیا اور تمام مذاہب سے بہتر سمجھا اور اسکو اختیار کر لیا۔ بعضے دین عیسوی کو پسند کر کے اُسی میں داخل ہو گئے بعض لوگ ہماری قوم کے ایسے بھی ہیں جو بودھ مذہب کو سب سے افضل اور بہتر سمجھتے ہیں۔ اور بعضے ایسے بھی ہیں جو کونفوشیوس کے مذہب پر قائم ہیں۔ غرض آپ حضرات پر پوشیدہ نہیں کہ ہمارے ملک میں مذہب کے بارے میں پوری آزادی ہے جسکو جو مذہب حق معلوم ہو وہ اُسے قبول کر سکتا ہے۔ اور اسیطرح ایک مذہب سے علیحدہ ہو کر دوسرے مذہب کو اختیار کر سکتا ہے۔

اب میں اپنے اور اپنے شہنشاہ معظم شاہ جاپان، اور اپنی تمام قوم کی طرف سے آپ حضرات کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا، اور آپ لوگوں کی اپنی ذمہ داریوں کو خوبی سے پورے کرنے پر آپ کی نہایت تعریف اور اپنی ممنونیت کا اظہار کرتا ہوں۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ آپ لوگ ہماری طرف سے اپنے جلالت مآب شہنشاہوں کے حضور میں نہایت خلوص ومحبت تہذیب، اور ادب کے ساتھ شکریہ عرض کریں گے۔

اس کے بعد میں یہ عرض کرنے کے لیئے کھڑا ہوا ہوں کہ شہنشاہ

میکاڈو کا حکم ہے کہ آج اس کانفرنس کو ختم اور تمام کر دیا جائے۔ کیونکہ اسپیچیں آپ لوگوں کی ہم نے اور ہماری قوم نے سنیں وہ سردست ہمارے لئے کافی ہیں۔ آئندہ اگر جلالت مآب شاہ جاپان اس کانفرنس کے دوبارہ انعقاد کا حکم فرمائیں گے تو ہم پھر آپ صاحبوں کو تکلیف دیں گے اور آپ کی گورنمنٹوں سے آپ حضرات کے تشریف لانے کی درخواست کریں گے۔

اب میں حسب حکم شاہنشاہ میکاڈو اُن کے نام نامی پر اس کانفرنس کے اتمام و اختتام کا اعلان کرتا ہوں"۔

بس اس کے بعد پھر کوئی اجلاس اس کانفرنس کا نہ ہوا۔

میکاڈو نے اسلام کیوں نہیں قبول کیا؟

جلالت مآب متسوھیتو شہنشاہ جاپان کے اسلام نہ لانے کا سبب یہ تو ہو نہیں سکتا کہ وہ دین اسلام کو مطابق عقل نہیں سمجھتے کیونکہ یہ اس وقت کہا جا سکتا تھا جبکہ وہ اسلام کے سوا کسی اور مذہب کو قبول کر لیتے بلکہ شہنشاہ جاپان اور دیگر شرکائے کانفرنس کے نزدیک باعتبار اور مذاہب کے کہ جن پر کانفرنس کے جلسوں میں بحث کی گئی تھی اسلام کی خاص وقعت و امتیاز ہے کیونکہ دین اسلام کے متعلق جو دلائل و براہین عثمانی ڈیلیگیٹوں نے بیان کیے تھے وہ بالکل مطابق عقل و فہم تھے۔ لیکن شاہ جاپان پولیٹکل اور سیاسی امور میں بہت گہری نظر رکھتے اور دور بینی سے کام لیتے ہیں۔ اُن کا غایت تدبر یہ ہے کہ وہ اپنی قوم کی حالت کی ہر بات میں رعایت کرتے ہیں۔

چونکہ وہ اپنی قوم کو کسی ایک مذہب پر متفق نہیں پاتے جبکہ وہ سلطنت کا مذہب قرار دے سکیں۔ اس لیے ابھی وہ اپنی نسبت کسی مذہب کے اختیار کرنے کا اعلان نہیں کرتے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ کسی ایک مذہب مثلاً دین اسلام کو قبول کریں مگر اُن کی قوم کے لوگ اس پر اُن کی موافقت نہ کریں

تو بادشاہ اور رعایا کے درمیان اختلاف مذہبی واقع ہو جائے گا اور وہ اس اختلاف کو ہرگز پسند نہیں کرتے اور نہیں چاہتے کہ اُن کی قوم اور خود اُن کے مابین کسی قسم کا بھی تخالف واقع ہو۔

جاپانیوں کا انقیاد اور اُن کی وہ فرماں برداری جو میکاڈو کے ساتھ ہے ڈر اور خوف کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ خلوص اور محبت و رغبت کے مقتضاء سے ہے پس اگر میکاڈو اپنی رعایا کی خواہش و رغبت کے خلاف کریں تو قوم کا وہ خلوص اتفاق اور دل سوزی و محبت باقی نہ رہے گی بلکہ ایک منافرت کا ذریعہ ہو جائے گا۔

غرض میکاڈو ایک عقلمند بادشاہ ہیں اور ایک ایسی قوم پر حکمراں ہیں جس کا نشو و نما فضیلت اور اولوالعزمی پر ہوا ہے۔ اور جو ہر نشیب و فراز کو سمجھتی ہے اور جانتی ہے کہ کس حال میں اُسکو کیا کرنا اور کس چیز سے بچنا چاہیے۔ اسی لئے وہ (میکاڈو) جو کام کرتے ہیں بہت ہی تدبر اور ہوش گوش سے کرتے ہیں۔

مشنریان اسلام کو نہایت قلیل مدت میں جیسی کامیابی حاصل ہوئی اور جتنے لوگ یہاں مشرف بہ اسلام ہوے اُن کی تعداد پر اگر مقابلہ اُن لوگوں کے جو غیر مذہب میں داخل ہوے ہیں۔ غور کیا جاتا ہے تو یقین ہوتا ہے کہ جاپان میں اسلام بہت جلد ترقی کر سکتا ہے کیونکہ اور مذاہب کے مشنری سالہا سال سے یہاں مقیم ہیں لیکن اس مدت دراز پر جن لوگوں نے اُن کے مذاہب کو اختیار کیا ہے اُنکی تعداد زیادہ سے زیادہ دو ملین (دس لاکھ کا ایک ملین) ہے۔ اور مشنریان اسلام کا قدم جاپان میں آئے ہوے کل ایک سال کے قریب ہوا ہے جسمیں پانچ ماہ بھی نہیں گذرنے پائے تھے کہ اُن لوگوں کے ہاتھوں پر قریب بارہ ہزار جاپانیوں کے مشرف بہ اسلام ہوے اور اس کے نصف سے زیادہ یعنی چھ ہزار ہم لوگوں کے ہاتھوں پر تیس دن کے اندر داخل اسلام ہوئے۔

لہذا جاپان میں اسلام کا خیر مقدم اس سرگرمی سے کیے جانے کا لحاظ کرکے یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ دین آنے والا ہے جبکہ اسلام ملک جاپان اور سلطنت جاپان کا مستقل مذہب ہوگا۔ اور سلطنت جاپان ایک اسلامی سلطنت شمار کیجائے گی (انشاء اللہ تعالے)۔

جاپان کے اسلام لانے کا کیا نتیجہ ہوگا

"اگر جاپان مسلمان ہوجاے تو اُس کا کیا اثر اور کیا نتیجہ ہوگا ؟" یہ ایک ایسا سوال ہے جس کے مختلف جوابات مختلف خیالات کے بنا پر دیے گئے ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ جاپان کے مسلمان ہونے سے تمام اسلامی دنیا میں بڑا انقلاب پیدا ہوجائے گا اور یہ انقلاب اسلام کے حق میں (خدانخواستہ) بُرا اثر پیدا کرے گا" یہ قول جن خیالات پر مبنی ہے ہمیں اُن کے بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن عموماً لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جاپان اگر مسلمان ہوگیا تو اسلام کی وہ ترقی جو پچھلے دنوں میں تھی قریباً پھر عود کر آئے گی اور اسلام اور مسلمانوں کی وہ عزت و حرمت جو مٹ چکی ہے پھر نئے سر سے پیدا ہوجائے گی اور تمام دنیا پر اسلامی ہیبت جیساکہ گذشتہ زمانے میں تھی چھا جائے گی، کیونکہ دولت جاپان مشرقی سلطنتوں میں ایک ایسی سلطنت ہے جو عزت، عظمت، قدر و منزلت، وقار و ہیبت، ہمت، اور شجاعت میں تمام مشرقی و مغربی سلطنتوں کی نظروں میں فرد ہے۔ جب وہ مسلمان ہوجائے گی تو یقیناً مسلمان چین، ہندوستان، قریب اور پڑوسی ہونے کی وجہ سے جاپان کے ساتھ متحد اور ایک ہوجائیں گے، اُس وقت ان تین قوموں کی جمعیت سے ایک پر زور اسلامی قوت بحر و بر میں پیدا ہوجائے گی جو تمام اسلامی دنیا کی عزت اور ترقی کا ذریعہ بنے گی۔ اور میکاڈو اُس وقت گویا بمنزلہ صلاح الدین ایوبی وغیرہ نامور مسلمان سلاطین کے ہوں گے کہ جس طرح اُن کے مستقل

بادشاہ و سلطان ہونے سے مرکز خلافت میں کوئی خلاف اثر پیدا نہیں ہوا بلکہ وہ خلافت کے مؤید اور اس کے استحکام کے باعث ہوئے تھے۔ اسی طرح سلطنت جاپان پایۂ خلافت و دولت علیہ (سلطنت ٹرکی) کے حق میں مؤید ثابت ہوگی۔ اور تمام ممالک اسلامیہ میں دینی و دنیاوی اتفاق و اتحاد پیدا ہو جائے گا (انشاء اللہ تعالےٰ)۔

اور اس وقت ٹوکیو مسلمانان مشرق اقصےٰ کا قبلۂ آمال ہوگا تو دارالسعادۃ (استنبول) مسلمانان مشرق ادنےٰ کا کعبۂ حاجات بنے گا۔

میں نے بہتیرے چینی اور ہندی برادران سے جن سے میری ملاقات ہوئی۔ اس مسئلہ میں گفتگو کی سب نے اپنا یہی خیال ظاہر کیا کہ جاپان کا مسلمان ہونا، اسلامی دنیا کے لیئے نہایت مبارک ہوگا نہ کہ غیر مفید و نامبارک۔

جاپان کے اسلام لانے میں کوئی خطر نہیں بلکہ اُس کا مسلمان ہونا اسلامی قوت اور مسلمانوں کی جمعیت کے لیئے ہر طرح سے سراپا خیر و برکت ہوگا۔ اس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ اسلام جو ہر ایک اپنی پیروی کرنے والی قوم کی دینی و دنیاوی ترقی اور قومی صلاح و فلاح کا ذمہ دار ہے۔ اگر جاپان جیسی ترقی یافتہ سلطنت و قوم اسے قبول کر کے اسکی متبع ہو جائے تو اُسکی ترقیات یقیناً اور دو بالا ہو جائینگی۔ کیونکہ اُس قوم کو ایسے مذہب کی تلاش ہے جو موافق عقل اور مطابق حکمت ہو۔ لہذا یہ امر یقینی ہے کہ اسلام لانے کے بعد وہ لوگ جملہ احکام و شعائر دین کو صرف عبادت ہی کی حیثیت سے نہیں بجا لائیں گے بلکہ اسلامی عبادات و معاملات وغیرہ میں جو حکمتیں اور مصلحتیں اور فوائد و مقاصد رکھے گئے ہیں اُن پر بھی غور کر کے اچھی طرح عمل درآمد کریں گے مثلاً جب وہ حج کریں گے اور مقدس مقامات میں تمام دنیا کے مسلمانوں کے ساتھ جمع ہوں گے تو وہ ہر ملک کے رہنے والے سے اُس کے ملک کے احوال اجتماعی و حالات قومی اور ہر پا دا سلامی کے اسباب

حضارت و ترقی تمدن وغیرہ کو پوچھیں اور معلوم کریں نیز جس طرح دنیا
کے ہر گوشہ و حصہ کے برادران اسلام کے احوال سے اُن کو آگاہی حاصل ہوگی
اور اُن کے معلومات بہت وسیع ہو جائیں گے۔ اور اس میں جس قدر نفع
عام اُنکا اور تمام اہل اسلام کا ہو سکتا ہے وہ محتاج بیان نہیں بلکہ اظہر من الشمس ہے
اسی پر اور باتوں کو بھی قیاس کر لو۔

جبکہ یورپ صرف جاپان کے مسلمان ہونے سے ڈرتا ہے تو جس صورت
میں جاپان کے ساتھ چین اور ہند بھی ملجائے گا اور مشرق اقصےٰ میں مسلمانوں
کی بہت بڑی قوت ہو جائے گی اُس وقت خدا جانے یورپ کا خوف سے
کیا حال ہوگا۔ اور اس زرد خطرہ کا اُسپر کیسا کچھ اثر پڑے گا۔

خصوصًا جب کہ اب وہ زمانہ ہے کہ جمعیت اسلامی بھی ایک شئے سمجھی
جانے لگی ہے اور مسلمانوں میں بیداری کے آثار نمایاں ہو چلے ہیں اور اخبارات
و رسائل میں برابر اسلامی جمعیت، اخوت اور اتفاق و ہمدردی وغیرہ کے
متعلق مضامین نکلتے رہے ہیں :-

اور ہر مسلمان کی جس کے دل میں اسلامی درد اور جوش و غیرت
اور حمیت ہے۔ ضرور یہ دلی آرزو اور خواہش ہے کہ سلطنت جاپان
مسلمان ہو جائے جو مسلمانوں کی عزت اور شوکت کا باعث ہو۔ وما ذلک
علی اللہ بعزیز۔

جاپان کی نظر میں حضرت سلطان المعظم کی قدر و وقعت

مقام خلافت آستانہ علیہ قسطنطنیہ جہاں حضرت خلیفۃ المسلمین جلوہ
افروز اور صدہا اُن سیاسی مشکلات کا جسے یورپ آئے دن آپ کے لئے

پید اکرتا رہتا ہے مقابلہ کیا کرتے ہیں۔ وہاں اس شان و شوکت سے سلطنت کرنا بے شک سلطان الاعظم ہی کا کام ہے۔ یہ ایک کٹھن مقام ہے جہاں وہی مدبر بادشاہ ٹھہر سکتا اور ثابت قدم رہ سکتا ہے جسکو قدرت نے حکمت و تدبر اور ایسی سیاست و دانائی عطا کی ہو کہ اُسکو معجزہ اور خرق عادت شمار کر سکیں۔ جو شخص سیاست حمیدیہ کے ابتداے زمانہ خلافت سے لے کر موجودہ زمانہ تک کے ماجرا اور حالات پر گہری نظر ڈالے گا وہ ہمارے اس قول کو مبالغہ سمجھنے کے بجاے واقعی خیال کرے گا۔

ہم اس وقت ایسے سیاسی واقعات کو بیان کرنا نہیں چاہتے جن سے اُن کی اعلیٰ اور حیرت انگیز تدبیر و سیاست کا پتہ ملتا ہے کیونکہ اُس کے لیے بڑے بڑے دفاتر بھی کافی نہ ہو سکیں گے چہ جائیکہ یہ مختصر سا سفرنامہ۔ البتہ ہم اس جگہ بعض اُن مدبرین ملک کی راے آپ کے بارہ میں نقل کرنا چاہتے ہیں جنکی تدبیر و سیاست پر نظام ممالک کا دارومدار ہے۔ اگرچہ حضرت خلیفۃ المسلمین کی سیاست و تدبیر پر **پرنس بسمارک** جیسے نامور یورپین مدبر کا اپنی موت کے وقت کہنا کہ "کاش اگر میری زندگی کچھ اور وفا کرتی تو میں سلطان روم کے امور سیاست سے واقفیت حاصل کرتا اور اُن کی حکمت و تدابیر پر غور کرتا" ایک زبردست شہادت ہے۔ تاہم میں ذیل میں شہنشاہ جاپان جن کی سیاسی عظمت اس قابل ہے کہ ایک بسمارک تو کیا صدہا مدبر اور سیاسی اُن کے پاسنگ بھی نہ کیے جا سکیں گے اُس راے زنی کا ذکر کروں گا جو اُنھوں نے حضرت سلطان کی سیاست و تدبیر ملک داری پر ظاہر کی ہے۔

ان دنوں جاپان و روس میں جنگ چھڑی ہوئی تھی حضرت سلطان معظم نے برقو پاشا عثمانی جنرل کو ڈیلیگیٹ حربی (جنگی) بنا کر جاپان بھیجا ایسی جنگوں میں تمام دول کا یہی دستور ہے کہ وہ اپنے جنگی اتاچی ارسال کیا کرتے ہیں

بر توپاشا جاپان تشریف لائے تو جلالت مآب میکاڈو نے حکم صادر کیا کہ اُن کا استقبال فوجی قاعدہ سے کیا جاوے۔ اور خاطرداشت و مہمان نوازی میں کمی نہ واقع ہو۔ پھر اُن کو دعوت خاص سے ممتاز فرمایا اور اپنے دسترخوان پر اُن کو شریک طعام کیا۔ نہایت عنایت و کرم سے پیش آئے اور لطف و مہربانی کے ساتھ اُن سے ہمکلام ہوئے۔ اور مختلف باتیں اُن سے اس لہجہ میں کیں جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ حضرت خلیفۃ المسلمین کی بہت بڑی عظمت و وقعت اُنکے دل میں ہے۔ اُنھوں نے خود فرمایا

"میں جناب خلیفۃ الاسلام کی نہایت عزت اور عظمت کرتا، اور اُن کی عقل و فراست، استقلال بلند خیالی، اور اعلی تدبر و سیاست کی جس کی وجہ سے مشرق کو اس جلیل القدر سلطان پر فخر کرنا چاہیے۔ شہادت دیتا ہوں"۔

اس واقعہ سے ایک سمجھدار صاحب فکر ضرور یہ خیال کرے گا کہ وہ زرد خطرہ جسکا یورپ کو اندیشہ لگا ہے شاید ایسی دوستانہ ربط و ضبط کا نتیجہ ہے جو شاہان مشرق (اقسطنطنیہ واد ٹو) کے درمیان پیدا ہو چلا ہے۔

دولت جاپان اور دولت علیہ کے مابین دوستانہ تعلقات کا استحکام ہی اُس زرد خطرہ کی جڑ ہے۔ جس کا وہم یورپ کو زرد بخار میں مبتلا کر رہا ہے۔ اور خصوصًا اگر جاپان مشرف بہ اسلام ہو جاوے (اللھم امین) تو پھر معلوم نہیں یورپ کی کیا حالت ہو اور وہ کیسے توہمات لاطائل کا شکار بنجائے۔

چنانچہ محترم یورپ یا دوسرے لفظوں میں رومن کیتھولک کے قبلہ گاہ نے اس اندیشہ کا اظہار بھی کیا ہے۔ یعنی پوپ ہز ہولینس سیز دہم نے جاپان اور سلطان کے مابین آئندہ ہونے والے تعلقات پر غور کیا تو اُسے خوف و خیال پیدا ہوا۔ کہ جس دن جاپان دین اسلام قبول کرے گا۔ اُس روز دنیائے یورپ پر کیا گذرے گی۔

جناب جلالت مآب میکاڈو نے عثمانی اتاچی دبر توپاشا کے ساتھ ایسی

قدر کریمانہ و دوستانہ برتاؤ برتا اور اُن پر نوازش و مہربانی کی۔ تو بابا پیوس نے
بھی اپنا ایک ڈیلیگیٹ داوکونال نامی اُن کی خدمت میں ارسال کیا۔ اوکونال
شاہ جاپان کے حضور میں حاضر ہوا اور اُس نے گزارش کی کہ۔

" مقدس پوپ آپ کی ذات اور آپ کی قوم پر خاص لطف اور خلوص
کی نظر رکھتے اور جاپانیوں کی ہمت، عقلمندی، حب وطن اور اُن کے تمدن و
سیاست کو مسرت اور وقعت کی نظر سے دیکھتے ہیں اُن کی دلی خواہش ہے
کہ قصر فاتیکان اور دولت جاپان کے مابین دوستانہ تعلقات قائم اور مستحکم
کریں اور اس صورت پر ہو کہ مقدس پوپ یہاں (جاپان میں) تشریف لاکر دینی
و مذہبی خدمت وعظ و ہدایت انجام دیں "

میکاڈو نے پوپ کے ایلچی کا بیان سُنکر مقدس پوپ کا شکریہ ادا کیا اور
کچھ لطف و کرم کی باتیں بھی اُس سے کیں جو محض اوپری دل سے معلوم ہوتی تھیں
اور ہز مجسٹی میکاڈو نے پوپ کی اس درخواست کا کوئی جواب تک نہ دیا کہ پوپ
صاحب جاپان آکر مذہبی خدمت انجام دیں۔

" جنگ کے زمانہ میں جاپانیوں کی ہمت اور وطن دوستی "

انسان کی مجموعی حالت و حیثیت اور دنیاوی زندگی میں ایک انسان
دوسرے انسان کا محتاج معاونت۔ اور تبادلۂ منفعت دیکھکر کہنا پڑے گا کہ
کسی قوم کے دولتمند طبقہ کو اپنے خزانوں ہی میں درہم و دینار جمع کرتے رہنا
لازم اور مناسب نہیں۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ بنی نوع کے سخت خطاوار
اور مجرم ہیں جب یہ معلوم ہے کہ مال و دولت حاصل کرنے کی اصل غرض
فقر و فاقہ اور ناداری کو دور کرنا اور انسانی ضروریات و حاجات کو پورا کرنا ہے
تو ہم خیال کر سکتے ہیں کہ مثلاً روکفلر و کارنیگی اور راتھس چائلڈ وغیرہ گو وہ بہتی
بھی اپنی زندگی بسر کرنے کے لیے ہرگز اتنی دولت کے محتاج نہیں جتنی کہ اُن کو

حاصل ہے اِن بندگان خدا کی دولت و ثروت کروڑ ہا اشرفیوں کی مقدار تک پہونچی ہوئی ہے اور اُن کی دولت کا لاکھواں حصہ بھی اُن کی بسر زندگی کے لیے کافی سے زائد ہے پس اُن کا فرض تھا کہ انکی دولت کا ذاتی ضروریات سے بچ پڑنے والا حصہ بنی نوع انسان کی نفع رسانی میں وقف ہوتا اور قومی و ملکی کاموں میں صرف ہوتا۔

ایسے دولتمندوں پر جو اپنی کثیر دولت خزانہ میں جمع رکھتے اور کار ہائے خیر میں خرچ نہیں کرتے خدائے پاک نے سخت نفرین فرمائی اور تہدید کی ہے کہ آج جن دفینوں کو یہ لوگ بہت عزیز رکھتے ہیں۔ کل اسی سے اُن کی پیشانیاں اور پیٹھیں داغ دی جائیں گی۔

اور جس طرح ہر فرد بشر ذاتی اور شخصی ضرورتوں کے لیے مال و دولت کا محتاج ہے اُسی طرح مجموعی اور قومی ضرورتوں کے لیے بھی روپیہ پیسہ اور مال و زر کی سخت حاجت ہوتی ہے۔ پس جسوقت قوم کو ایسی عام قومی ضرورت پیش آ لئے تو اُس قوم کے تمام مالداروں اور ارباب دولت کا فرض ہے کہ وہ اپنی دولت و ثروت سے اسقدر حصہ نکالیں جو اس قومی و ملکی ضرورت کو کافی ہو سکے ورنہ وہ صاحب ثروت جو قومی کاموں میں اپنی دولت صرف نہ کرے قومی و مذہبی مجرم اور خداوند تعالےٰ کی امانت میں خیانت کرنے والا۔ اور قوم ہی سے خارج ہے۔ وہ اپنی قوم کے محتاجوں اور غریبوں سے بھی بدتر ہے کیونکہ ایک غریب مزدور جو دن بھر کی محنت و مزدوری میں ایک درہم حاصل کرتا ہے اور کچھ قلیل حصہ اُس میں سے اپنی قوم کے نفع کے لیئے نکالتا ہے وہی اصلی کریم [illegible] ہے۔ کیونکہ حقیقی کرم یہی ہے کہ خود تنگی و عسرت میں رہکر قوم و ملک پر جو دو سخا کرے۔

ہم اخباروں میں اکثر پڑھتے اور خود اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ بہتیرے صاحبانِ دولت و ثروت جنھیں خداوند تعالےٰ نے ہمت دی ہے قومی کاموں میں بڑی فیاضیاں دکھاتے اور ایک سے ایک گراں قدر

عطیہ دیتے ہیں۔

لیکن جاپانیوں نے جنگ روس و جاپان کے زمانہ میں جیسا ایثار اور جیسی ہمت و فیاضی و دریا دلی کی ہے وہ بہت ہی حیرت انگیز اور تعجب خیز ہے۔

جس زمانہ میں جنگ چھڑی ہوئی تھی حکومت جاپان کو روپیہ کی ضرورت پڑی اور اُس نے ساڑھے ملین پونڈ کسی بینک سے قرض لینے کا ارادہ کیا۔ اُمرا و رؤسائے ملک کو اس بات کی خبر ہوئی تو انکی مردانہ ہمت جوش میں آئی اور اُن کی وطنیت و ہمت نے اُن کو اسپر مجبور کیا کہ وہ اس وقت ایسی دریا دلی دکھائی۔ کہ شاید ہی کسی قوم نے اپنے ملک و بادشاہ و قوم کے ساتھ دکھائی ہو۔

میں اس میں اپنی طرف سے کوئی مبالغہ نہیں کرتا بلکہ جب میں جاپان گیا تھا تو خود اُن لوگوں سے جو اس کام میں حصہ لینے والے تھے۔ میں نے اس کی تحقیق کی ہے جسے ذیل میں عرض کرتا ہوں۔

شاہ جاپان کے قرض لینے کی خبر سُنتے ہی جاپانیوں نے ایک فہرست عام چندہ کی کھولی جس میں ہزاروں جاپانی شریک ہوئے۔ اور مبلغ ۱۰۰۰۰۰۰۰۰ ۲ دا این یعنی ۲۰۰۰۰۰۰ ادا گنی مصری آناً فاناً میں جمع ہو گئے۔ چندہ کی حد یہیں تک ختم نہیں ہوئی بلکہ تمام ملک جاپان میں مختلف شاخیں اس چندہ کی کھولدی گئیں۔

ہم یہاں چند اُن جاپانیوں کے نام درج کرتے ہیں جنھوں نے اس قومی کام میں کافی حصہ لے کر اپنی اعلیٰ درجہ کی ہمت اور احساس قومیت کا ثبوت دیا ہے۔

نمبر شمار	اسمائے دہندگان	تعداد گنی	ین
۱	بارون تانسیبوا	ایک لاکھ گنی	ایک ملین
۲	مارکوئس شانتومالو	=	=

حاشیہ: ایک جاپانی سکہ کا معادل ہے ۱۲ آنہ ایک گنی مصری ۱۵ روپیہ کی ہوتی ہے ۱۲ احسن

نمبر شمار	اسمائے دہندگان	تعداد گنی	ین
۳	پرنس فالناددوار	ایک لاکھ گنی	ایک ملین
۴	پرنس موری	"	"
۵	مارکوئس ماییدا	"	"
۶	مارکوئس شیماد تبرون	"	"
۷	مسٹر فورو کاوا	"	"
۸	مارکوئس دانتومارہ	پچاس ہزار	نصف ملین ۵ لاکھ
۹	مارکوئس ہوسوکاوا	"	"
۱۰	مسٹر واتانابی	"	"
۱۱	مسٹر یاراتومیتاو	"	"
۱۲	مارکوئس جابالونی	چالیس ہزار	چار لاکھ
۱۳	مسٹر وانتیر فوش	"	"
۱۴	مارکوئس توکوجاوا	تینتیس ہزار	۳ لاکھ
۱۵	مسٹر ایویا	"	"
۱۶	مسٹر جیموں	"	"
۱۷	مارکوئس النشاناڈ	"	"
۱۸	مسٹر ہوریکوشی	بیتیس ہزار	۳ لاکھ

جملہ ۲۰۰۰۰۰۰ ین جسکے ۱۲۰۰۰۰ مصری گنیاں ہوتی ہیں

یہ ہے وہ چندہ جو اُس وقت فوری طور سے جمع ہوا۔ ناظرین باتمکین اس کثیر تعداد چندہ کو دیکھ کر جسے صرف اٹھارہ آدمیوں نے دیا ہے۔ اس قوم کی ہمت و کرم اور وطنیت پر تعجب کریں گے۔ لیکن اس سے زیادہ تعجب آپ کو اُس وقت ہوگا جب آپ میوا دکاروا کی دریادلی کو معلوم کریں گے۔ اس شخص کے پاس ایک بہت بڑا

عجائب خانہ تھا جسمیں اُس نے قابل قدر پرانی اشیاء اور نادر قدیمی یادگاریں اور نایاب چیزیں جمع کی تھیں اُس نے اِس عجائب خانہ کو فروخت کرکے پچاسی ہزار گنی جو اُس کی قیمت تھی شاہ میکاڈو کے حضور میں لیجاکر رکھدیں۔ شہنشاہ نے اُس کے قومی جوش اور ملکی ہمدردی اور دریا دلی کی بہت تعریف فرمائی۔

اور سیوفیدون ہیس نے اور کمال کیا کہ جان اور مال دونوں اس بہادر نے قوم اور وطن کے لیئے وقف کردیا۔ مسٹر موصوف کے پاس ایک خوبصورت عمدہ سیرگاہ تھی۔ اور اُن کے دو بیٹے تھے اُنھوں نے اُس سیرگاہ کے دو حصے مبلغ پچاس ہزار ین مطابق پانچسو جنیہ (گنی) مصری میں بیچ ڈالے اور کل روپیہ اور اپنے بڑے بیٹے کو لے کر شاہ جاپان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یہ روپیہ قبول فرماکر میری عزت افزائی فرمائی جائے اور مجھے اور میرے اس بیٹے کو فوجی والنٹروں میں قبول کیا جاے کیونکہ میں اپنی سیرگاہ کے دو حصے فروخت کرکے یہ روپیہ لایا ہوں اور ایک حصہ اپنی زوجہ اور چھوٹے بچے کی معاش کے لیئے رکھ چھوڑا ہے۔ میکاڈو نے اس جانباز کی بہت توصیف و تعریف کی اور شکریہ ادا کیا۔

اہل جاپان کا جوش، مستعدی، حب وطن، اور ہمدردی ملک و قوم یہ ہے جو بیان ہوئی۔ اور تعجب پر تعجب یہ ہے کہ وہ لوگ ان باتوں کو کوئی قابل تعریف کام نہیں خیال کرتے بلکہ اسکو اپنا فرض منصبی ہی سمجھتے ہیں۔

غرض جاپانیوں کے یہ حالات و سیرت دوات و قلم سے لکھنے کے بجائے آب زر یا آب حیات سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔

جاپانیوں کی مردانگی اور شہامت و شجاعت جنگ روس کے زمانہ میں

ہم کتب سیر میں اگلے زمانہ کے بہادروں اور اسلام سے پہلے ایام جاہلیت

سے جنگجو دلیروں مثلاً عنترۃ الفوارس، حارث بن عباد، عمرو بن معدیکرب اور حارث
بن ظالم وغیرہم کے حالات و واقعات پڑھتے ہیں تو اُن کی شجاعت و جوانمردی اور
بہادری پڑھکر عقل دنگ ہو جاتی ہے۔ اور یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اب اس زمانہ
میں ایسے صاحب قوت اور اس طرح کے اہل ہمت و شجاعت کا وجود محال کے
قریب ہے۔ لیکن جن لوگوں نے جنگ جاپان و روس میں جاپانیوں کی حالت
دیکھی ہے وہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ اُن گذشتہ بہادروں کا نمونہ آج ہزاروں جاپانی
نظر آرہے ہیں جو ہمت شجاعت اور دلیری میں ایک سے ایک بڑھکر ہیں۔ اور نہ
صرف مرد بلکہ جاپانی عورتوں نے بھی اس ہمت و شجاعت میں کافی حصّہ لیا ہے۔

جب روس و جاپان میں جنگ شروع ہوئی اُس وقت بلاد جاپان میں
جابجا قومی تماشے اور جلسے اور بہتیرے قومی تھیٹر قائم کیے گئے جن میں مرد و عورت
اور ہر طبقہ کے لوگ شریک ہوتے تھے۔ ان تھیٹروں کے ہر ایک سین اور ایکٹ
اور ہر پارٹ میں اُن کو اس طرح کے قومی تماشے اور ایسی تمثیلیں اور واقعات
دکھائے جاتے اور ایسے فرضی و واقعی میدان جنگ اور فتح و شکست کے مناظر
اُن کے پیش نظر کیے جاتے تھے جو اُن کی قومی غیرت اور جوش حب وطن میں نئی
روح پھونکتے۔ اسی ضمن میں اُنھیں رجز آمیز لکچر سنائے جاتے پرجوش تقریریں
اُن کو جوش میں لانے کے واسطے کی جاتیں اور اُن کو بتایا جاتا کہ قومی خدمت اور
ملک و وطن کی حمایت میں جان دینا ہی انسانی زندگی کی منزل مقصود ہے۔

تمام حاضرین و شرکاء ہر ایک ایکٹ اور سین پر بلند آواز سے کہتے تھے
"بنزاے بنزاے" جس کے معنے یہ ہیں کہ قوم کی مدد اور وطن کی حمایت میں مرنا
اصلی اور حقیقی زندگی ہے"۔

ایک جاپانی عورت کا وہ قابل قدر واقعہ جس کو تمام دنیا کے اخبارات نے
جاپانیوں کی ہمت و شجاعت پر حیرت کرتے ہوئے نقل کیا تھا اسی تھیٹر سے متعلق
تھا۔ کسی تھیٹر میں ایک دفعہ یہ سین دکھلایا گیا کہ روسیوں نے دو جاپانیوں کو

گرفتار کر لیا۔ اور ان کو پھانسی دینے یا گولی مار کر قتل کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ اس خونی منظر کا ایک سن رسیدہ عورت پر جو ان قومی تماشائیوں میں موجود تھی۔ بہت بڑا اثر ہوا۔ اس نے جوش میں آکر اپنے قومی بھائیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "کاش اگر میں جنگ میں جانے کے قابل ہوتی تو ضرور میدان جنگ میں اپنے ابنائے وطن کی مدد کرتی اور ان کے کام میں شریک ہوتی"

اس کے بعد اس عورت نے اپنے اکلوتے بیٹے سے جس کی عمر چھبیس سال کی تھی کہا کہ "تو میدان جنگ میں جا اور فوجی والنٹیروں میں ہو کر ملک اور وطن کے لیئے اپنی ہمت و شجاعت کام میں لا"۔

جوانمرد بیٹے نے بسر و چشم منظور کیا اور قوم کی حمایت میں جان فدا کرنے کے لیئے بڑھا۔ لیکن جاپانی فوجی قانون نے اسکو فوج میں لیے جانے کی اجازت نہیں دی کیونکہ وہاں کا قانون یہ ہے کہ وہ مرد جو اپنے گھر کا اکیلا ہو اور اس کے سوا کوئی دوسرا مرد اس کے گھر میں نہ ہو وہ فوج میں نہیں لیا جاتا کیونکہ اہل و عیال کی کفالت کرنے والا کوئی ضرور ہونا چاہیے۔ وہ بیچارہ مغموم و محزون اپنی ماں کے پاس واپس ہوا۔ یہ دیکھکر اس کی ماں نہایت جوش سے اُٹھی اور ایک چھُرا نکال کر بیٹے سے بولی "تو صرف میری وجہ سے اتنے بڑے ملکی و قومی خدمت سے محروم رہا جاتا ہے۔ اس لیے میں اپنا کام تمام کیے لیتی ہوں اب تو خوش ہو اور شوق سے جا کر فوجی والنٹروں میں داخل ہو جا"

یہ کہکر فوراً اپنے کو ہلاک کر ڈالا۔ یہ واقعہ ماہ اپریل سنہ ۱۹۰۴ء میں ہوا تھا یہ ہے وطنیّت اور اس کا نام ہے حب وطن۔ اور اسی جاپانی عورت کے جوش قومی، ہمت اور دلیری کی اقتدا ہر ایک قوم کے پہلوانوں اور سپاہیوں کو کرنا چاہیے۔ سہ

ولو کان النساء کمثل ھذی	لفضلت النساء علی الرجال
فما التانیث لاسم الشمس عیب	و لا التذکیر فخر للھلال

اگر سب عورتیں اُس بوڑھی بی بی کی طرح ہوتیں تو ضرور تھا کہ جنس لطیف کو مردوں پر برتری دیجاتی کیونکہ تانیث آفتاب کے نام کے لیے کوئی عیب اور تذکیر چاند کے نام کے واسطے کوئی فخر نہیں ہے۔

غور کرو جب جاپانی عورتوں کی یہ حالت تھی تو اُن کے مردوں کے جوش اور بہادری و دلاوری کا کیا حال ہوگا۔ اسکا اندازہ اُن دو جاپانیوں کے خطوں سے ہو سکتا ہے جنھیں روس نے گرفتار کر کے اُن کے قتل کا حکم دیا تھا ان میں سے ایک نے اپنے باپ اور دوسرے نے اپنے بیٹوں کے نام خط لکھکر جاپان بھیجا تھا۔ ایک کا مضمون تمہید وغیرہ کے بعد یہ تھا۔

جناب والد ماجد! آپ خوب جانتے ہیں کہ میں مجبوریاں میں اس لیے آیا تھا کہ اپنے وطن اور اپنے امپرر معظم کی خدمت اور واجب الادا قومی فرض ادا کروں آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ اب میں روس کے قبضہ میں ہوں۔ تلوار و نیزے میرے سر پر ہیں۔ اور بندوقیں میرے لیے بھری رکھی ہیں۔ لیکن میں بہت ہی خوش ہوں کہ میری موت اُس حالت میں ہوگی جبکہ میں اپنے قومی و ملکی فرض کے ادا کرنے اور وطن کی خدمت انجام دینے میں مصروف تھا۔

نیز مجھے یقین ہے کہ آپ بھی یہ دیکھکر بہت خوش ہوں گے کہ آپ کا فرزند خون کا ارغوانی لباس پہنے ہوئے ہے جو اُس کے لیئے نہایت فخر اور عزت کا لباس ہے کیونکہ یہ مبارک لباس اُسکو اُس کے پیارے وطن نے بخشا ہے۔ اور میں یقین کرتا ہوں کہ آپ اسپر فخر کریں گے کہ آپ کا فرزند نہایت عزت کی موت مرا یعنی اپنے وطن اور اپنے امپرر کی حمایت و حمیت میں اُس نے جان دی"

اور دوسرے صاحب کے خط کا مضمون یہ تھا۔

میرے پیارے فرزندو! میں تم لوگوں کی جدائی گوارا کر کے منچوریا صرف اس لیے آیا تھا کہ اپنے ملک اور وطن کو دشمنوں کے حملوں سے بچاؤں اور

وطن اور قوم پر اپنی جان فدا، اور شہنشاہ معظم کے حکم کی تعمیل کروں۔ لیکن میں نہایت رنجیدہ ہوں کہ اپنی واجب الادا خدمت پوری طور پر انجام نہ دے سکا۔ کیونکہ میں گرفتار کر لیا گیا اور میں قتل کیا جانے والا ہوں روسی فوج میرا محاصرہ کیئے ہوئے ہے۔ لیکن اُن کی توپوں اور بندوقوں کا جن کا میں نشانہ ہونے والا ہوں۔ مجھے کچھ اندیشہ نہیں بلکہ میں ثابت قدم اور بالکل ثابت قدم اور دلیر ہوں ہاں میری دلی تمنا یہ ضرور تھی کہ میں اپنا فرض انجام دیکر کامیابی کے ساتھ فتح و نصرت کا ڈنکا بجاتا ہوا تم لوگوں کے پاس پہونچتا مگر تقدیر نے تدبیر سے موافقت نہیں کی۔

عزیز و بیٹو! میری مسافرانہ اور غریبانہ موت سے تم رنجیدہ نہ ہونا کیونکہ تمھارا باپ ایک عزت اور شرف کی موت مرنے والا ہے تمھیں فخر کرنا چاہیے کہ تمھارا باپ وطن کی حمایت میں مارا گیا ہے۔ اور تمھیں بھی ایسی مبارک اور عزت کی موت کے لیے تیار رہنا اور میری اقتدا کرنا چاہیے۔

پیارے بیٹو! علمی مشاغل سے غفلت نہ کرنا۔ ماں اور دیگر اقارب کے ساتھ حسن سلوک اور ہمیشہ ایسے کام کرنا جس میں تمھاری اور تمھاری قوم و وطن کی بہتری اور شہنشاہ کی خوشنودی ہو۔ والسلام“۔

ان دونوں خطوط کو اکثر اخبارات نے جاپانیوں کی ہمت و شہامت و حمیت پر تعجب کرتے ہوئے نقل کیا تھا۔

آفریں ہے اس قوم پر جس میں حب وطن اس اعلیٰ درجہ کا ہے اور صد آفریں ہے اس کی اس وطنیت پر!

جاپانی عورتیں

علماے تمدن عورت کو انسان کی دوسری قوت، اور مردوں کے

لیئے قومی و اجتماعی امور میں ایک کارآمد مددگار خیال کرتے ہیں اور اُسے علوم
و فنون کی تعلیم دینا ضروری و واجبی سمجھتے اور ہر قوم کے حقیقی تمدن اور ترقی کو
عورتوں کی پوری تربیت و تعلیم ہی پر موقوف بتاتے ہیں۔ اِن کے اس دعوی
کا سچا ثبوت اور صحیح مثال ’’جاپانی عورتیں‘‘ ہیں۔

جاپانی عورتوں کا تھوڑی ہی مدت میں اِس درجہ تعلیم یافتہ اور مُہذب
و شایستہ نظر آنا۔ اِس بات کی کافی دلیل و بین ثبوت ہے کہ اگر عورتوں کی
تعلیم میں ایک کافی مدت صرف کیجائے اور اُن کی تربیت میں کوشش بلیغ
کیجائے تو وہ بہت کچھ ترقی کرسکتی ہیں۔

جاپانی لڑکی اپنی پیدائش کے پانچ سال بھی پورے نہیں کرتی کہ
اُس کے والدین اُسے مدرسہ میں داخل کردیتے ہیں۔ اب چاہے وہ
گھر کیسا ہی غریب و محتاج کیوں نہ ہو لیکن اسکی تعلیم و تربیت کا اُسے
ضرور متحمل ہونا پڑتا ہے۔ اور اُس کے والدین اِس ضرورت کو اپنی
زندگی کے تمام دوسرے ضروریات پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور یہاں تک
جاپانیوں کو اِس میں غلو ہے کہ جو شخص اپنی لڑکیوں کو کسی اسکول میں
داخل نہیں کرتا اور اُنھیں تعلیم نہیں دلاتا وہ عام اہل جاپان کی نظروں
میں نہایت بے وقعت، اور سخت نادان شمار کیا جاتا ہے اور یہ اُس کے
لیئے شرم اور ننگ کی بات سمجھی جاتی ہے کہ اُس کی لڑکیاں تعلیم یافتہ نہ ہوں۔

اِس میں شک نہیں کہ عورتوں کو شایستہ و تعلیم یافتہ بنانے میں اہل جاپان
کی اِس قدر توجہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ انسان کی مجموعی حالت اور قومی
قوت میں عورتوں کی تعلیم کو بہت مفید چیز پاتے ہیں وہ اس امر کو خوب سمجھتے
ہیں کہ انسان کا پہلا قدم جو تہذیب و شایستگی کے زینہ پر پڑتا ہے وہ اُس
کی ماں کی تربیت کا نتیجہ ہوتا ہے، اور اُس اخلاق و ادبی تعلیم کا اثر
سے ابتدائی تخم ریزی ماں کے مبارک ہاتھوں سے اُس کے مزرعۂ قلب میں ہوتی ہے

اگر مدرسے میں داخل ہونے کے وقت سے لے کر شوہر دار اور بال بچے والی عورت ہونے تک ایک جاپانی عورت کے حالات زندگی پر غور کیا جائے تو اُسے حُسن اخلاق، آداب و تہذیب، اور دیگر خوبیوں میں کامل پایا جائے گا۔

جاپانی لڑکیاں طالب علمی ہی کے زمانہ میں حُبِّ وطن کے مسئلہ سے خوب واقف، اور وطن کی محبت میں کامل ہوتی ہیں۔ گویا حب وطن بھی ایک مستقل علم ہے جو مدارس جاپان کے نصاب تعلیم میں داخل ہے اور جسکو وہاں کا ہر تعلیم یافتہ (مرد ہو یا عورت) اپنے عمل سے مطابق کر دکھاتا ہے۔

جاپان کی وہ لیڈیاں جو تعلیم سے فراغت پاکر اسکول کی سند یا سارٹیفکیٹ حاصل کر لیتی ہیں وہ اسکول سے نکل کر ایسے کاموں میں مصروف ہوتی ہیں جو اُنکے اور اُن کے کنبہ و خاندان کے لیئے ادبی و مادی امور میں مُفید و نفع بخش ہوں۔ اور وہ عورتیں جو اُن سے کم درجہ کی تعلیم یافتہ ہیں انتظام خانہ داری و اسباب معیشت میں مصروف اور اپنے علم و عقل کے ذریعہ سے اسکو ترقی دیتی رہتی ہیں

جاپانی صاحب اولاد بیوہ عورات اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت میں سرگرمی سے مشغول رہتی، اور اُن کو اس قابل بنا دیتی ہے کہ وہ دنیاوی زندگی اچھی حالت میں بسر کر سکیں۔

غرض جاپانی عورتوں کو اُن کے تمام احوال و اطوار کے اعتبار سے پاک نفسی اور نیک چلنی اور دیگر خوبیوں میں تمام دنیا کی عورتوں کے لیے قابل تقلید مثال اور بہترین نمونہ پایا جاتا ہے۔

جنگ روس و جاپان کے موقع پر جاپانی خواتین نے حب الوطنی کا وہ بیّن ثبوت دیا تھا جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ اسکول میں پڑھنے والی لڑکیاں بھی اپنے اوقات درس کے علاوہ وقتوں میں کمل اور نکٹائی اور مختلف قسم کے فوجی لباس تیار کر کے صلیب اَحمر کی انجمن میں جہاں فوجی زخمیوں کے علاج و مرہم پٹی کے لیئے بہتیرے طبیب و ڈاکٹر موجود رہتے تھے بھیجتی تھیں۔

اور پورٹ آر تھر کی سخت جنگ کے موقعہ پر اس سے بھی زیادہ اہتمام و محنت کے ساتھ اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی مختلف چیزیں از قسم لباس وغیرہ زخمی سپاہیوں کے لیے اُنھوں نے ارسال کی تھیں کیونکہ اس جنگ میں زخمیوں کی تعداد ہزاروں تک پہونچی تھی۔

اس کے علاوہ جاپانی عورتیں ہر جلسہ و انجمن اور ہر ایک قومی کام میں مردوں کی شریک رہتی ہیں۔ خصوصاً روس کے مقابلہ میں اپنے ملک و وطن کی حمایت و مدد میں جاپانی لیڈیوں نے بہت بڑا حصّہ لیا۔ چنانچہ ایک جاپانی عورت کا وہ واقعہ میں کسی مقام پر پہلے بیان کرچکا ہوں کہ اُس نے محض ملک اور وطن کی ہواخواہی میں اپنی جان دیدی اور خودکشی کرلی۔

یہ ہے جاپانی عورتوں کی تعلیم اور ترقی کا مختصر حال۔ اور اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عموماً مشرقی (ایشیائی) عورتیں میدان حضارت و ترقی میں دوسرے ممالک و اقوام کی عورتوں سے ممتاز ہوسکتی اور قدم بڑھا سکتی ہیں بشرطیکہ اُن کی تعلیم و تربیت کی طرف پوری توجہ اور کوشش کیجائے کیونکہ اُن میں استعداد اور عمدہ تربیت کی تاثیرات کے قبول کرنے کی صلاحیت کافی طرح سے موجود ہے اور وہ فطرتاً مغربی (یوروپین) عورتوں سے زیادہ ذکی ہوتی ہیں جس کی مثال عرب کی زمانہ سلف کی عورتیں موجود ہیں کہ وہ کمال عقل اور تہذیب نفس میں اعلیٰ پایہ اور بلاغت و فصاحت اور حُسن بیان و تقریر میں بڑا کمال رکھتی تھیں۔ جو شخص اُن عورتوں کے حالات کو پڑھے گا جیلکے وفد نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حضور کر اور سیدنا معاویہ کی جناب میں آتے تھے۔ وہ ہمارے اس بیان کی ضرور تصدیق کرے گا*۔

* نوٹ بے شک ہر شخص جس کی تاریخ و سیر وغیرہ پر نظر ہوگی۔ فاضل مصنف کے اس قول کی تائید کرے گا۔ کیونکہ باوجودیکہ اُس زمانہ میں آجکل کی سی علمی ترقی، باتعلیمی ساز و سامان اور باقاعدہ مدارس و اسکول کچھ نہ تھے۔ مگر بہتیری خواتین اپنی فطرتی ذکاوت

کاش اہل مصر و ہندوستان جنس لطیف کی تعلیم و ترقی میں سرگرمی سے کوشش اور توجہ کرتے۔ اور اُنھیں شایستہ و تعلیم یافتہ بناتے تو آج ہمیں بہتیری خرابیوں کا رونا نہ رونا پڑتا۔

بعض نادان جو یہ خیال کرتے ہیں کہ عورتوں کی تعلیم اُن کے لیے مخرب اخلاق اور موجب آزادی و فساد ہے۔ یہ خیال فاسد پرلے درجے

اور قدرتی صلاحیت کی بدولت، اعلی درجہ کی علمی اخلاقی مذہبی اور تمدنی قابلیت رکھتی تھیں۔ اوروں کا تو کیا ذکر۔ خود ہمارے حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحابیات و ازواج مطہرات کے حالات کو پڑھو۔ حضرت ام المؤمنین عایشہ صدیقہ اور جناب ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں) مذہبی علوم اور تہذیب و اخلاق و شایستگی میں نہایت قابلہ و فاضلہ ہونے کے علاوہ عقل و فراست اور فہم و ذکاوت میں ایسا درجہ اعلی رکھتی تھیں کہ امور سلطنت میں دخل دیتیں اور ملکی معاملات میں رائے زنی کرتی تھیں۔ امیر معاویہ کی ماں ہندہ بھی نہایت عقیلہ و فہیمہ اور پاکیزہ خیال بیوی تھیں۔ اور علم و فضل فصاحت و بلاغت، خوش خیالی اور قومی حمیت و ہمدردی میں صدر اسلام کی خواتین عرب کا امتیاز تمام دنیا کی بیویوں پر مسلم ہے

اِس طبقہ کے بعد کی عورتوں میں حضرت بی بی سکینہ کو دیکھو۔ اُن کی دماغی قابلیت، علمی مذاق، عقل، ذکاوت، شاعری، اور فصاحت و بلاغت اِس اعلی درجہ کی تھی کہ بڑے بڑے فصحاے عرب اور فضلاے ملک اُن کی خدمت میں آکر علمی باتیں، اور فصاحت و بلاغت کے نکتے، اور شاعرانہ کلام سنتے اور اُن کی مجلس سے مستفید ہونے کے لیے حاضر ہوتے تھے۔

اسیطرح ان زمانوں کے بعد بھی اکثر بڑی بڑی فاضلہ عاقلہ اور تعلیم یافتہ عورتیں مسلمانوں میں گذری ہیں۔

(۱) احسن پھلواروی

کی حماقت اور سخت ترجہالت ہے۔ کیونکہ تعلیم اور اچھی تربیت برائیوں کی دور کرنے والی ہے نہ پیدا کرنے والی۔

اور اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے تسلیم بھی کرلیں کہ مصر وعرب اور ہندوستان وغیرہ ایشیائی ممالک کی عورتوں کو تعلیم دینا فساد کے طریقوں کو اُن کے لئے آسان کردینا ہے تو میں کہتا ہوں کہ اُن کا تعلیم یافتہ ہونے کی حالت میں فتنہ وفساد بہت کم ضرر رساں اور نقصان دہ ہوگا باعتبار اُس فتنہ وشر کے جو اُن کے جاہل ہونے کی حالت میں ہوسکتا اور ہوتا ہے۔ کیونکہ جاہل جب کوئی بُری راہ اختیار کرتا ہے تو وہ اپنے کو اس طرح معرض خطر میں ڈالدیتا ہے کہ اُس کا خود اُسے شعور بھی نہیں ہوتا۔ بخلاف اس کے جو شخص پڑھا لکھا ہوگا وہ سنبھل سنبھل کر اور سمجھ بوجھ کر قدم رکھے گا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

قالوا البنون علیهم	مدار سعد الحیاۃ
لوگوں نے کہا کہ بیٹوں (مردوں) پر	زندگی کی سعادت وترقی کا دارومدار ہے
فقلت کیف نسیتم	یا قوم حظّ البنات
تو میں نے کہا لوگو!	بیچاری بیٹیوں (عورتوں) کے نصیب کو تم نے کیوں بھلا دیا

لیکن مشرقی (مسلمان) عورتوں کی تعلیم وتربیت سے میری مراد اُن کو مجرد علوم دنیویہ وعقلیہ اور فنون صنعت ودستکاری کی تعلیم دینا نہیں ہے بلکہ میرا مقصود یہ ہے کہ اُن کی تربیت وتعلیم اسلامی اصول اور شرعی قواعد کی رو سے ہو اور دینی تعلیمات بھی اس کے ساتھ ساتھ ضرور ہوں کیونکہ جب اور علوم کے ساتھ وہ اسلامی احکام وآداب واخلاق سے واقف اور آراستہ ہوجائیں گی تو پاک نفسی پاک دامنی نیک چلنی اور اخلاق پسندیدہ وخصائل حمیدہ اُن میں اعلیٰ درجہ سے پائے جائیں گے کیونکہ غیر مشرقی تعلیم یافتہ عورتیں اُن پاک اخلاق وفضائل سے جسے اسلام نے

بتایا ہے اور منجملہ اُن کے ایک پردہ بھی ہے۔ خالی خولی نظر آتی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ دین ہی تمام فضیلتوں اور دینی و دنیاوی خوبیوں کی جڑ ہے۔ پس اگر ہماری عورتوں کی تعلیم علوم دینیہ سے خالی ہو گی تو در حقیقت اُن کی تعلیم سے کوئی عمدہ نتیجہ اور اصلی فائدہ جو ہونا چاہیے حاصل نہو گا اور اسلامی تہذیب و اخلاق سے وہ بالکل بے بہرہ ہونگی۔

جاپانیوں کی وطنیت

اس عنوان سے میرا یہ مطلب نہیں کہ اُن کے حب وطن اور وطنیت کی تعریف و توصیف کروں بلکہ میرا مقصد صرف بعض اُن امور کا ذکر کرنا ہے جو اُن کے غایت درجہ کے حب وطن کی دلیل ہیں۔

میں ایک دن کسی عام سیرگاہ میں جو ایوان شاہی کے قریب تھی بیٹھا تھا مجھے ایک تصویر فروش نظر آیا جو بازاروں میں تصویر اور فوٹو فروخت کرتا پھرتا تھا میں نے ایک فوٹو اس سے لے کر دیکھا تو یہ عجیب و غریب سین نظر آیا کہ۔ اِدھر جاپانیوں کے سات فوجی افسر اور اُن کے پیچھے اُن کی فوجیں ہیں۔ اُدھر مقابل میں روس کی کثیر التعداد فوج ہے اور وہ اپنی توپوں اور بندوقوں کو جاپانیوں کی طرف سر کرنے کے لیئے مستعد ہے گویا وہ لوگ جاپانیوں سے ہتھیار رکھوا لینا چاہتے ہیں۔ اور یہ ہتھیار ڈالنے سے انکار کرتے ہیں جس پر روسی فوج جنگ کے لیئے مستعد ہو گئی ہے۔ توپیں ہر طرف لگا دی گئی ہیں صرف سر کرنے کی دیر ہے۔ روسی سپاہی بندوقیں ہاتھوں میں لیئے ہوئے فیر کرنے کے لیئے کھڑے ہیں۔

جب جاپانیوں نے دیکھا کہ اب مخالفوں سے لڑکر ملک و وطن پر جان فدا کرنے کا وقت آگیا۔ تو ہر ایک جاپانی ایک ایک لکڑی اُٹھا کر (جس طرح کوئی باجا ہوتا ہے) بجاتا ہے اُس سے اپنی بندوق بجانے لگا۔

اور خوشی کا گانا گانے لگا۔

اس فوٹو کو بغور دیکھ کر میں سمجھا کہ ہر ایک جاپانی کے نزدیک ملکی اور قومی حمایت میں جان دینا اور حبِ وطن میں مرنا زندگی سے کہیں زیادہ مرغوب ہے اور وہ توپیں اور بندوقیں جو وطن کے لیئے اُن پر سر کی جاتی ہیں اُن کی آوازیں اِن کے لیئے نغمہ و سرود سے بھی زیادہ دل خوش کن ہیں

اِن قومی کارآمد فوٹوؤں پر غور کرو اور ذرا مصر وغیرہ کی تصویروں اور فوٹوؤں کو دیکھو جن سے بیحیائی اور بے شرمی اور کم عقلی و نادانی کی مجسم تصویریں تمھاری آنکھوں کے سامنے نظر آئینگی ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

المختصر جاپان کے بازاروں میں اس قسم کے نتیجہ خیز فوٹو فروخت ہوا کرتے ہیں جو اُن اخباروں سے جن میں کارٹون وغیرہ شایع کیے جاتے ہیں زیادہ تر مفید ہیں کیونکہ باعتبار اُن باتصویر اخباروں کے۔ اس قسم کے فوٹو عام طور پر لوگوں کے دلوں میں ہمت و شجاعت اور جوش و تاثیر پیدا کرتے ہیں

جاپانی پولیس

جاپان کی پولیس عدل۔ انصاف۔ انتظام، تدبیر، اور اپنے فرائض منصبی کے ادا کرنے میں تمام دنیا کی پولیسوں سے اچھی ہے۔ وہاں کی پولیس کا ایک عجیب وغریب انتظام یہ ہے کہ اُس کی طرف سے ہر ایک فوجی سپاہی کے پاس ایک نوٹ بک ہوتا ہے اور اس نوٹ بک یا یادداشت میں چھپے ہوئے سوالات ہوتے ہیں اور وہیں اُن کے جواب بھی درج کیے جاتے ہیں۔ اور وہ تمام سوالات اور جوابات وطن اور قوم، اور مکارم اخلاق سے متعلق ہوتے ہیں مثلاً سوال یہ ہوتا ہے کہ اِس جنگ روس و جاپان سے کیا کیا نتیجے اور تجربے تم

ہوئے ہیں۔ اور یہ کہ ہر ایک سپاہی اور فوجی کو جنگ کے وقت یا مخالف پر چڑھائی کرنے کے وقت کیا کیا کام کرنا چاہیے۔ اور یہ کہ فوجی افسروں اور جنرلوں پر کیا کیا باتیں واجب ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ہر ایک شخص اس قسم کے سوالات کے جوابات اپنے تجربے اور فہم کے مطابق لکھتا ہے۔

یہ ایک نہایت ہی عمدہ انتظام ہے۔ اور ایک بہترین طریقہ ہے قوم کے دلوں میں مستعدی اور جوش اور حب وطن کے بڑھانے کا۔

جاپانی پولیس کا ایک اور بہت ہی خوب انتظام قوم اور ملک کے امن عام کے متعلق یہ ہے کہ جب کسی مسافر و نو وارد کو بازاروں میں خرید و فروخت کرتے ہوئے دیکھتی ہے تو اسکی خریداری کی پوری نگرانی کرتی ہے۔ ناپ اور تول کو بغور ملاحظہ کرتی ہے خریدنے والا جو قیمت دیتا ہے اُسے بھی معائنہ کرتی ہے (تاکہ خرید و فروخت میں کسی طرف سے غبن نہ ہونے پائے) چنانچہ میں جس زمانہ میں جاپان میں تھا ایک دفعہ ایک میوہ فروش کی دوکان سے کچھ میوہ جات خرید رہا تھا کہ پولیس آئی میں نے دوکاندار کو سونے کا ایک ٹکڑا جسکی قیمت نصف گنی انگریزی کے برابر ہوتی ہے جیب سے نکال کر دیا۔ پولیس نے سودے کو دیکھا اور جو کچھ میں نے اسکا دام دیا تھا اُسے معلوم کیا۔ پھر دوکاندار نے اپنی قیمت لے کر بقیہ روپیہ وغیرہ جو مجھکو واپس دیا اُسے بھی پولیس نے گنا (اور اسطرح اپنی ڈیوٹی پوری کرکے واپس گئی)۔

مجھے اُس وقت اپنے وطن ملک مصر کی پولیس یاد آئی اور حسرت ہوئی کہ کاش ان خوبیوں میں سے کوئی ایک خوبی بھی ہمارے یہاں کی پولیس میں ہوتی۔ اور بجائے دوکانداروں سے رشوت لینے اور دلالی و فریب دہی و بے انصافی وغیرہ بد امنی و فساد کی باتیں ملک میں پھیلانے کے۔ جاپانی پولیس کی طرح اپنی ڈیوٹی پورے طور پر انجام

یتی۔ خدا ہمارے ملک کی پولیس کو کار خیر کی توفیق دے اور ہدایت فرمائے۔

اہل جاپان کے جنازہ اور دفن وکفن کے رسوم ورواج

بودھ مذہب کے پیرو، اور بت پرست اور عیسائی جاپانی۔ باوجود اختلاف مذاہب کے سب ایک ہی جگہ اپنے مُردوں کو دفن کرتے ہیں۔ البتہ ہر ایک قبر پر کوئی خاص نشان اور علامت ہوتی ہے جس سے ایک مذہب والا دوسرے سے ممتاز ہو جاتا ہے۔

ہاں جنازہ اُٹھانے اور دفن کرنے کے طریقے ہر ایک کے خاص خاص ہیں۔

بودھ مذہب کے پیرؤں کا ایک عجیب دستور ہے کہ جنازہ ایک گاڑی پر رکھا جاتا ہے جس کے آگے آگے چند آدمی اپنے ہاتھوں میں کسی درخت کی چند شاخیں لیے ہوتے ہیں اور اُن شاخوں میں بہت سی چھوٹی چھوٹی چوبی تختیاں بندھی ہوتی ہیں اور اُن پر اُس مرنے والے کے تمام دوست واحباب کے اسماء چوب خط حروف میں لکھے ہوتے ہیں جسے ہر شخص پڑھ سکتا ہے اس طریقہ سے وہ لوگ اپنے خیال میں میت کے ساتھ اپنی دوستی اور محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور یہ اُن کا نہایت قدیم دستور ہے۔

بودھ مذہب کی ایک جماعت ہے جسکو حملۃ الشجن کہتے ہیں۔ اس سوسائٹی کے لوگوں کا معمول ہے کہ وہ جنازہ کے آگے آگے چلتے ہیں۔ اور ان لوگوں میں سے ایک شخص کے سر پر ایک نہایت خوبصورت قبعہ (کیپ) ہوتا ہے جسکو وہ لوگ قبعۃ المیزان (انصاف کی ٹوپی) کہتے ہیں۔ اور اسی شخص کے دونوں کاندھوں پر دو بڑے بڑے ڈبے ہوتے ہیں جن کی نسبت اُن لوگوں کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ ایک ڈبہ میں مُردے کے

نیک اعمال و افعال ہیں۔ اور دوسرے میں اُس کے سارے بُرے اعمال و افعال بند ہیں۔ ان دونوں ڈبوں کا ہر جنازہ کے ساتھ ہونا۔ لازمی و لابدی ہے چاہے وہ مردہ اُن کے نزدیک کیسا ہی بزرگ اور مقدس کیوں نہ ہو۔

اُن لوگوں کے پیچھے کاہنوں کی جماعت ہوتی ہے۔ ان کا لباس حملۃ الشیجن کے لباس سے علیحدہ اور ایک خاص قسم کا ہوتا ہے سب کا لباس ایک رنگ کا نہیں ہوتا بلکہ کسی کا سیاہ، کسی کا سُرخ، کسی کا زرد، کسی کا سبز اور کسی کا خاکی رنگ کا۔ مگر سفید پوشاک کسی کی بھی نہیں ہوتی کیونکہ شاید سپید لباس کو وہ خوشی کا لباس سمجھتے ہیں۔ اس لیئے غمی میں اسکا استعمال نہیں کرتے۔

یہ سب لوگ جنازہ کے آگے آگے گاڑیوں پر سوار ہوتے ہیں۔ ان کے بعد ایک اور گاڑی ہوتی ہے جن میں اُن کا رئیس و سردار سوار ہوتا ہے پھر ان کے بعد نعش کے پیچھے پیچھے میت کے گھر والے، عزیز و اقارب اور دوست و آشنا ہوتے ہیں۔

اثنائے راہ میں جنازہ کے ساتھ جزع و فزع کرنا، یا ایک دوسرے سے کلام کرنا یا کچھ بولنا قطعًا جائز نہیں سمجھا جاتا۔ سب کے سب سکوت کے عالم میں، گویا مرنے والے کی موت سے عبرت اور تفکر حاصل کرتے ہوئے مقبرے تک جاتے ہین۔

وثنیوں (یعنی بُت پرستوں کا) معمول اور اُن کے یہاں کا دستور ہے کہ سب سے آگے جنازہ ہوتا ہے اور اس کے ارد گرد مُردے کے اہل و عیال اور عزیز و اقارب اور اُن کے پیچھے میت کے دوست و احباب۔

یہ لوگ سوگ اور غم کا لباس دوسرے اہل مذاہب سے بالکل علیحدہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ عام طور پر ماتمی لباس "سیاہ"، ہوتا ہے لیکن یہ لوگ اسکی جگہ بالکل سفید کپڑے پہنتے ہیں خصوصًا اگر مرنے والا۔ اُن کا کوئی عزیز و

رشتہ دار ہوتا ہے تو اور بھی سر سے پاؤں تک اُجلے کپڑے پہنتے ہیں۔ وہ جنازہ کے ساتھ جاتے ہوئے بولنے اور بات چیت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے اور نہ وہ رونے پیٹنے کو بُرا جانتے ہیں بخلاف بودھ مذہب کے متبعین کے کہ اُن کا مذہبی اصول اور خیال یہ ہے کہ کسی سمجھدار آدمی کو اظہار حزن والم اور جزع وفزع کرنا زیبا نہیں۔ اِس لیئے کہ مرنا ہر شخص کو ہے، اور موت سب کو آنے والی ہے اگر ان میں سے کسی پر غم واندوہ کا اثر نمایاں ہوتا ہے تو وہ اسے نہایت کوشش کر کے اپنے دل سے دور کرتا اور اُسے ہنسی وخوشی سے بدل دیتا ہے اور اپنے چہرہ سے حزن وملال کے آثار ظاہر نہیں ہونے دیتا۔

جاپانی عیسائیوں کے رسومات جنازہ اور دفن وکفن کے متعلق بالکل وہی ہیں جو تمام عیسائیوں کے ہیں۔

ان ہر سہ مذاہب کی قبروں میں فرق وامتیاز یہ ہوتا ہے کہ........

بُت پرست اپنے مُردوں کو قبر میں بالکل اس شکل سے رکھتے ہیں جیسے جنین (بچہ) اپنی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے۔ یعنی مُردے کے دونوں ہاتھ اُس کے مُنہ پر رکھدیتے اور دونوں گھٹنے سے ملادیتے ہیں۔ اور اسی صورت سے اس کی لاش کو ایک مربع صندوق میں جو لاش کی شکل وہیئت کے مطابق ومناسب ہوتا ہے رکھکر قبر میں دفن کرتے ہیں۔ قبر بھی مربع اور اس صندوق کے برابر ہوتی ہے۔ گویا یہ لوگ مُردے کو جنین اور قبر کو شکم مادر قرار دیتے، اور اسطرح اس کی دوبارہ زندگی کی جو ابدی زندگی ہوگی۔ توقع کرتے ہیں۔

بودھ مذہب کے پیرو عیسائیوں کی طرح دفن وکفن کرتے ہیں۔ اُن کی قبریں بھی مسیحیوں کی سی ہوتی ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ عیسائیوں کی قبروں پر صلیب ہوتی ہے اور ان کی قبروں پر کچھ نہیں۔

رہ گئے وہ لوگ جنھوں نے مذہب اسلام قبول کرلیا ہے۔ اُن کو

ہم نے اسلامی طریقہ پر غسل و کفن اور تجہیز و تدفین کی تعلیم کر دی ہے۔

جاپان کی تعلیمی و صنعتی ترقی کا ایک اور ثبوت وہاں کا ترسخانہ (دار الصنایع) جہاں جہاز بنائے جاتے ہیں) جسکی نظیر دیگر مہذب و ترقی یافتہ ممالک میں بہت ہی مشکل سے مل سکتی ہے۔

میں ایک دن مسٹر جاز نیف اور مسٹر سید حسین عبد المنعم کے ساتھ جاپانی جنگی جہاز بنانے والے کارخانہ کی سیر کرنے گیا۔ ہم وہاں پہونچے تو ایک عجیب عالم نظر آیا کارخانہ تھا کہ ایک خاصہ اور بہت بڑا شہر جس میں کئی ہزار آدمی دن رات کام کرتے ہیں۔ اسی سے اندازہ کر لو کہ جہاں کئی ہزار آدمی ہر وقت کام کرتے ہوں وہ کیسا وسیع اور کس قدر عالی شان کارخانہ ہوگا۔

یہاں پہونچکر پہلے ہم نے دار الصنائع کے بعض افسروں سے ملاقات کی جنکا نام اور عہدہ میں اس وقت بھولتا ہوں۔ اُنھوں نے وہ تمام کارخانجات اور مقامات ہمیں دکھلائے جہاں توپیں، بندوقیں، مختلف آلات حرب ڈھالے جاتے اور بارود، بندوق کی گولیاں، اور ڈائنامیٹ وغیرہ بہت ہی حسن و خوبی کے ساتھ تیار ہوتی ہیں۔ لیکن یہاں کے کاموں سے زیادہ تعجب مجھکو جہازات کے اُن کارخانوں کو دیکھکر ہوا جہاں کہ مختلف اقسام کے آہن پوش جنگی جہازات اور تارپیڈو کشتیاں وغیرہ بنائی جاتی تھیں وہاں کے کام کرنے والوں کی چابک دستی اور صفائی کو معائنہ کرکے میں حیران رہگیا۔

میں اُن تمام مکانوں اور کمروں میں گیا جہاں ہر قسم کے جہاز بنائے جاتے ہیں، یہ سب کمرے نہایت وسیع اور عالی شان تھے کیونکہ جتنے بڑے جہاز وہاں بنتے ہیں اُسی انداز سے وہ کمرے بھی کم و بیش وسیع تھے۔ اُن کی چھتیں اسقدر بلند تھیں جتنی کہ مصری پایۂ تخت شہر قاہرہ کے بڑے اسٹیشن کی چھت اونچی ہے۔

میں نے دسات جگہ ساٹ آہن پوش جہاز بنتے ہوئے دیکھے جو فولادی
چادروں سے منڈھے جارہے تھے۔ اور میں نے ہر ایک جگہ کو گھوم پھر کر غور
سے دیکھا مجھے جاپانیوں کی ترقی پر حیرت بالائے حیرت ہو رہی تھی۔
اُسوقت مجھے مسٹر کالسورہ کا وہ مکالمہ جو اُس نے ایک اور
یوروپین سے کیا تھا یاد آیا یعنی یوروپین سیاح نے حکومت جاپان پر اعتراض
کیا تھا کہ وہ اپنے آلات وہتھیار اور جنگی جہاز یورپ کے کارخانوں میں کیوں
نہیں تیار کراتے مسٹر کالسورہ نے اُسے دندان شکن اور مسکت جواب
دے کر چپ بنا دیا تھا۔

سیاحوں سے ٹکس کی وصولی

حکومت جاپان نے دیکھا کہ جو لوگ اطراف عالم سے جاپان میں
سیر وسیاحت وغیرہ کے لیے آتے ہیں وہ صرف یہاں کی ترقیات سے
فائدہ اُٹھانے اور علوم وفنون سے خوشہ چینی کرنے اور مستفیض ہونے
کی غرض سے آتے ہیں۔ تو اُس نے ایسے لوگوں پر سلطنت کی طرف سے
ایک ٹیکس مقرر کر دیا جو حسب مقدور ہر ایک ایسے سیاح کو دینا پڑتا ہے
اور کم از کم ہر شخص سے ایک ین ضرور لیا جاتا ہے (ایک ین = ۱۲)
سنہ ۱۹۰۳ء میں حکومت جاپان نے اس ٹکس کی مد سے (۱۸۷۰۸۰۰۹
ین (۲۸۰۷۲۰۱۳ روپیہ) وصول کیئے تھے۔ اور سنہ ۱۹۰۴ء میں ——
۱۳۶۰۰۵۴۵ ین۔ اور سنہ ۱۹۰۵ء میں ۲۵۳۵۴۰۰ ین اور سنہ ۱۹۰۶ء میں
۲۵۹۴۲۶۰۷ ین وصول ہوا۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہ جاپان
کی ایک معقول (سالانہ) آمدنی ہے جو اُس کی مالی ترقی کی ایک عمدہ تدبیر
ہے۔ کاش اگر اسیطرح ہماری حکومت (مصر) بھی اپنے ملک کے
واردین وسیاحین سے۔ انگریزوں کو مستثنی کر کے کوئی ٹکس سال میں

وصول کیا کرتی تو اِس ذریعہ سے ہر سال ایک معتد بہ رقم آمدنی کی حاصل ہو جایا کرتی، کیونکہ وہ فوائد جن کے تحصیل کے لیئے مصر میں دیگر ممالک کے لوگ آتے رہتے ہیں۔ جاپان سے بھی زیادہ ہیں۔ لیکن آسمان و زمین کا فرق ہے اُس قوم میں جو اپنی ملکی ترقی کے اسباب و ذرایع کو خوب سمجھ گئی ہو اور اسپر اسکا عمل و درآمد بھی ہو۔ اور اس قوم میں جو ہنوز فقرا و غربا ہی پر سخاوت کر رہی ہے اور اسی کو بڑا کام سمجھ رہی ہے حالانکہ وہ اس سخاوت کی فقرا و غربا سے زیادہ ترخود محتاج ہے۔ خدا ہمیں راہ راست کی ہدایت فرمائے اور نیک کاموں کی توفیق دے۔

جاپان کے اخبارات

چونکہ اخباروں کی اشاعت و کثرت ہر قوم کی ترقی کا دیباچہ اور اُسکی بیداری کا ثبوت ہے اِس لیئے جاپان میں بھی اخباروں کی بڑی قدردانی اور قوم کے دلوں میں اخبارات کی بہت بڑی تاثیر ہے۔

وہاں کے بعض اخباری دنیا کے لوگوں سے مجھے معلوم ہوا کہ جاپانیوں کی زیادہ توجہ اخباروں کی طرف اور اس کے ساتھ ان کو خاص دلچسپی چین کی اُس اخیر لڑائی کے زمانہ سے ہوئی جس میں جاپانیوں کو نمایاں فتح حاصل ہوئی اور جسپر تمام ممالک کے اخباروں نے جاپان کی بڑی تعریف اور مدح سرائی کی اور جاپانی فوج کو دیگر سلطنتوں کی افواج سے ہمت و شجاعت اور دلیری میں بڑھی ہوئی ثابت کیا۔ جس کی وجہ سے جاپانیوں کو اخبار بینی کی رغبت اور شوق پیدا ہوا اور اُن کی قوم کے بہتیرے انشا پرداز اور محرر و مقرر اخبارات کے اجرا و اشاعت کی طرف متوجہ ہو گئے۔

اور ترقی یافتہ قوموں کی طرح جاپان میں بھی پرچے اور اخبارات مختلف اقسام کے ہیں یعنی ڈیلی (روزانہ) ویکلی (ہفتہ وار) بالتصویر اور

ظریفانہ (یعنی پنچ) ہر طرح کے اخبارات وہاں شایع ہوتے ہیں۔
اگرچہ یہ اخبارات مختلف مذاق کے ہیں لیکن ملکی مصلحتوں کے بارے میں سب متفق پائے جاتے ہیں وہاں کوئی اخبار ایسا نہیں سنا جاتا جس کا شیوہ شخصی مطاعن یا ذاتی حملے کرنا ہو۔ اور کوئی اڈیٹر اخبار وہاں ایسا نہیں نکلے گا جو ذاتی حملوں یا شخصی نکتہ چینیوں کی وجہ سے ماخوذ یا قید ہوا ہو الّا ماشاءاللہ ایک آدھ ہو بھی تو اُس کا کوئی اعتبار نہیں ہو سکتا۔
اسیطرح علمی میگزین اور رسالے بھی بکثرت نکلتے ہیں۔ ان میں بعض ماہواری (منتھلی) ہیں۔ بعض پندرہ روزہ۔ اور بعض ہفتہ وار۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے جاپان کے اعلیٰ درجہ کے سیاسی اخبارات زیادہ تر پایہ تخت ٹوکیوہی سے نکلتے ہیں۔
جاپان کے مشہور روزانہ اخبارات حسب ذیل ہیں۔
(۱) دجی دجی شمبو (۲) چیچی شمبون (۳) کوکومن (۴) یامانسو شمبون (۵) یوروزو (۶) ساہی شمبون (۷) جوجوبان (۸) شمبون کاری (۹) المورنتن پوستن (۱۰) طوکیو نتشی (۱۱) اخبار ٹوکیو (۱۲) تیمس الیابان (جاپان ٹائمز) پنچ اخبارات بھی جاپان میں بہت کثرت سے شایع ہوتے ہیں اور اُن کو دلچسپی سے پڑھا جاتا ہے۔
لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ جس زمانہ میں وہاں تحقیقات مذاہب کے لیے ایک کانفرنس قائم کی گئی اور اس کے جلسے منعقد ہوتے تھے اخبارات جاپان اسکی خبروں اور کارروائیوں سے بہت ہی الگ اور بے سروکار رہے۔
اسکی وجہ جہاں تک میں غور و فکر کرتا ہوں صرف یہ معلوم ہوتی ہے کہ گورنمنٹ جاپان نے اُس وقت اخباروں میں اسکی اشاعت اور عام ملک پر اعلان، مصلحت کے خلاف سمجھا اس خیال سے کہ اہل جاپان

مختلف مذاہب رکھتے ہیں لہذا اگر کانفرنس کی پوری کارروائی اور تمام باہمی مباحثات و مناقشات عام طور سے شایع ہوں گے تو اُس کی وجہ سے ملک میں مذہبی اختلافات اور تعصب وعناد اور فسادات پھیلجانیکا اندیشہ ہے (اور موجودہ قومی اتفاق میں خلل واقع ہونے کا ڈر ہے) مگر اکثر خبریں لوگوں کو خاص خاص دفاتر یا بعض سرکاری محکموں سے معلوم ہوتی رہتی تھیں۔

اور مزید حیرت یہ ہے کہ جاپان کے اخباروں نے باوجودیکہ اُن کو ہر طرح سے پوری آزادی حاصل ہے، کانفرنس مذکور کے متعلق کوئی موافق و مخالف مضمون شایع نہ کیا نہ اپنی گورنمنٹ کو اس کے فائدہ و نقصان کی طرف کوئی توجہ دلائی — یہ تو خاص دارالحکومت (پایہ تخت) کا ذکر ہے لیکن اس کے علاوہ اور ممالک و جزائر جاپان میں لوگ اس کانفرنس کی مطلق خبر ہی نہیں رکھتے تھے کیونکہ اخباروں میں اس کا کوئی ذکر ہی نہ تھا۔

میں نے مشہور اخبارات جاپان کے بعض ایڈیٹروں اور نامہ نگاروں سے ملاقات کی اور بہتیری دلچسپ سیاسی و علمی گفتگو ہمارے اُن کے ہوئی جس سے اہل جاپان کی ذہانت و ذکاوت اور وسعت علم و خوبی اخلاق پر مجھے بڑی حیرت ہوئی۔

یہ لوگ کسی سے بات کرتے ہیں تو بہت ہی متانت و شایستگی سے۔ اور کسی کی بات سنتے ہیں تو بھی بہت غور اور اطمینان سے —

جن ایڈیٹران اخبار سے مجھے ملنے کا اتفاق ہوا اُن میں مسیو ہچ یازن سان ایڈیٹر اخبار شمبون کاری اور مسیو ہاریکو جا واندیر اخبار دجی دجی شمبون بہت اچھے اہل علم و فضل ہیں۔ یہ دونوں اعلیٰ درجہ کے انشا پرداز اور سیاسی و پولیٹکل امور پر پورا اعلیٰ درجہ کے

مضامین لکھا کرتے ہیں۔

اُن لوگوں نے مجھ سے میرے ملک کی نسبت بہت سی باتیں دریافت کیں جو تمدن و سیاست سے متعلق تھیں۔ اور یہ کہ مصر کے باشندوں کو اعلیٰ حضرت خدیو معظم سے کیا تعلقات ہیں؟۔ میں نے موقع موقع سے اس کے جوابات دیئے۔ جن کا ذکر کرنا یہاں ضرور نہیں

جاپان کے اسپیکر و لکچرار

ہر قوم میں تقریر و اسپیچ کی بہت بڑی تاثیر ہوتی ہے عام ازیں کہ وہ تقریر و لکچر سیاسی و تمدنی ہو یا مذہبی و دینی۔ ہر ایک موضوع پر لکچر و اسپیچ کا اثر عام دلوں پر پڑتا ہے اور لکچرار جسقدر زیادہ فصیح و بلیغ ہوگا، اُس کے لکچر کا اثر اُسیقدر زیادہ ہوگا۔

غرض مقرر و لکچرار ہی کے ہاتھ میں قوم کی لگام ہے کہ وہ جدھر چاہے اپنی تقریر اور جادو بیانی کے ذریعہ سے قوم کا رُخ پھیر دے۔

مجھے جاپان میں اپنی چند روزہ اقامت کے عرصہ میں تمدنی لکچر و خطبہ کے سُننے کا اتفاق نہ ہوا۔ لیکن بودھ مذہب والوں کی وعظ و تقریر کی صحبت میں حاضر ہونے کا مجھے اتفاق ہوا۔ اور میں وہاں بہت ہی متاثر ہوا۔ حالانکہ میں اُن کی زبان (جاپانی زبان) سے بالکل ناآشنا ہوں۔ مگر مقرر کے حرکات و سکنات اور اس کے اشارات جو دلی جذبات کو ظاہر کرنے تھے کہیں آواز کا بلند کرنا، کسی جملہ پر زور دینا، اور کہیں آواز کو پست کرنا۔ اور حاضرین کا متاثر ہونا۔ ان باتوں کا مجھ پر بڑا اثر ہوتا تھا۔

خطیب (لکچرار) کے ہاتھ میں سیاہ آبنوس کی ایک چھڑی تھی جو تقریباً تیس سنتیمیٹر[1] لمبی تھی۔ آواز کو پست اور بلند کرتے ہوئے وہ اسی

[1] سنتیمیٹر میٹر کا سواں حصہ ہوتا ہے اور میٹر ۳۹ انچ یعنی ایک گز ۳ گرہ کا ہوتا ہے ۱۲ حسن

چھڑی سے اشارے کرتا تھا۔ اور تمام حاضرین مجلس۔ خموشی۔ سر جھکا کے
اسکی تقریر کو توجہ سے سُن رہے تھے اور اُن پر نمایاں اثر طاری تھا۔

مجھے معلوم ہوا کہ بودھ مذہب کے لوگوں کے بہتیرے خاص مدرسے ہیں
جن میں طالب العلم کو اصول مذہب بودھ اور ان کی مذہبی باتیں سکھائی جاتی
ہیں۔ نیز وہاں طلبہ کو وعظ کہنے اور تقریر کرنے کی مشق کرائی جاتی ہے، وہ طلبہ
مدرسہ کی سند حاصل کر لینے کے بعد مختلف قصبات اور گاؤں اور شہروں
میں وعظ و پند کے لیے چلے جاتے ہیں۔

یہ مدارس مسیحی مذہب کے مدارس اکلیروس کے بالکل مشابہ ہیں
اور جو لوگ یہاں سے تعلیم پا کر نکلتے ہیں اکثر مذہبی وعظ و ہدایت ہی کے لیے
اپنے کو وقف کر دیتے ہیں۔

یقیناً سیاسی اور تمدنی سبجکٹ پر ان جاپانیوں کے لکچر و اسپیچ مذہبی
مواعظ سے زیادہ مؤثر اور مفید ہوتے ہوں گے۔ کیونکہ تمام اہل جاپان باوجود
اختلاف مذاہب کے حب وطن کے مسئلہ میں متفق ہیں لہذا تمدنی اسپیچیں
تمام قوم میں یکساں اور بہت بڑا اثر رکھتی اور اُن کے دلوں میں جوش وطن
پرستی، جوانمردی، اور حمیت قومی پیدا کرتی ہیں۔

داستان گو اور قصہ خوان

بہتیری رسمیں اور خصلتیں جو نامہذب قوموں میں بُری طرح
رائج ہوتی اور بیہودہ سمجھی جاتی ہیں۔ وہی اگر مہذب و شائستہ قوموں میں
آجاتی ہیں تو اُس کے برخلاف اثر ظاہر کرتی اور بجائے مُضر ہونے کے
مفید ثابت ہوتی ہیں۔

منجملہ ایسے رسوم و عادات کے ایک قصہ خوانی و داستان گوئی بھی
ہے۔ اگر تم مصر کے بازاروں میں نکلو تو قہوہ خانوں میں بہتیرے قصہ گوؤں

کو دیکھو گے کہ وہ عوام کو عنترہ، سیف بن ذی یزن، ابوزید اور ملک الظاہر بیبرس وغیرہم کے قصے اور داستان سُنایا کرتے ہیں۔

ہم اس سے انکار نہیں کرتے کہ ان قصوں کی کوئی اصل نہیں ہے ضرور ہوگی۔ مگر مبالغے اور لغو حاشیے ان پر اس قدر چڑھا دیئے گئے ہیں کہ اُن کی اصلیت بھی کھو گئی اور اُنکا شمار لغویات و خرافات قصوں میں ہو گیا۔

یہی وجہ ہے کہ اہل مصر کی بہت بڑی جماعت اور نہ صرف اہل مصر بلکہ عامۃ اہل اسلام کا ایک بہت بڑا حصہ بجائے صحیح تاریخی واقعات کے طرح طرح کی بے سر و پا باتوں اور غلط اور باطل قانون کا یقین و اعتقاد رکھتا ہے۔ اور وہ لوگ اس میں ایک حد تک معذور بھی ہیں کیونکہ وہ بیچارے سمجھتے ہیں کہ ہر ایک کتاب میں جتنی روایات و قصے اور حکایات و واقعات لکھے گئے ہیں سب سچے اور اصلی و واقعی ہیں (حالانکہ بہتیری حکایتیں و واقعات غیر معتبر اور بے بنیاد بھی مشہور ہیں یا اُن پر حشو و زوائد کی پوری ملمع سازی کر دی گئی ہے)

لیکن یہ ساری خرابیاں قوم کی جہالت و ناشائستگی کی وجہ سے ہیں جو مسلمانوں کی قوم میں عالمگیر ہے اگر یہ قوم ترقی یافتہ اور مہذب ہوتی تو ضرور عنترہ اور سیف ابن ذی یزن کے قصّوں اور روایتوں کے متعلق تحقیق کے ساتھ کوئی کتاب تصنیف و تالیف کی جاتی جس میں صحیح اور سچے واقعات درج کیے جاتے۔ تاکہ عوام و خواص ہر طبقہ میں اُس کی کوئی وقعت اور اعتبار ہوتا۔ چنانچہ مثلاً ہم ذیل میں جاپانیوں کی رسم و عادت جو اس کے متعلق ہے پیش کرتے ہیں۔

جاپان میں تاریخ و سیر کے متعلق بہتیرے مدارس قائم ہیں جن میں سیر کی کتابیں پڑھائی جاتی اور قصّہ خوانی و داستاں گوئی کی تعلیم دی جاتی ہے یہاں (جاپان میں) قصّہ خوان وہی لوگ ہوتے ہیں جو ان مدارس

سے تعلیم یافتہ ہوں۔ لہذا وہ قصہ گوئی میں صرف سچی حکایات اور واقعی قصے جن کی تاریخ وسیر میں کوئی اصل ہوتی ہے۔ بیان کرتے ہیں نہ کہ لغویات و خرافات۔ اور جس وقت کسی رسٹارنٹ یا ہوٹل میں قصاص کوئی قصہ بیان کرنا شروع کرتا ہے سننے والے اسپر روپیہ اور پیسہ برسانے لگتے ہیں۔ اور جس وقت وہ بیان سے فارغ ہوتا ہے۔ فوراً وہ قصہ چھپ کر حاضرین میں فروخت ہوتا ہے یعنی ایک ایک پرچہ ہر شخص خرید لیتا ہے۔ اور اُسکی جسقدر قیمت آتی ہے اُس میں سے قصاص صرف اپنے ضروری مصرف کے لیے ایک حصہ واجبی لے لیتا ہے اور بقیہ اُس فنڈ میں ڈالدیا جاتا ہے جو عبادت گاہوں میں ہوتا ہے۔ تاکہ اُس آمدنی سے فقرا و غربا کی خبرگیری کیجائے اور دیگر نیک کاموں میں بھی خرچ ہو۔

اب ناظرین، جاپان کے عقلمند اور قابل قدر قصہ خوانوں کو دیکھیں اور پھر مصر کے قصاصین کے حالات پر نظر کر کے فیصلہ کریں تاکہ معلوم ہوجائے کہ وہ قوم جسکی رگ و پے میں مدنیت اثر کرگئی ہو اور وہ قوم جس کا شعار ہی بُری عادات اور بیہودہ رسم ورواج ہو۔ دونوں میں کس قدر آسمان و زمین کا فرق ہے۔

جاپانیوں کے تیوہار اور اُنکی عیدیں

جاپانیوں کے سال میں کئی تیوہار ہوتے ہیں جن میں وہ بڑی خوشیاں مناتے، جلسے کرتے، بڑی شان و شوکت دکھاتے، اور اُس دن کا بہت اعزاز و احترام کرتے ہیں۔ اُس دن نہایت عمدہ اور بیش قیمت کپڑے پہنتے ہیں۔ ایک دوسرے سے ملتے جُلتے اور اظہار محبت و خلوص کرتے ہیں۔ غربا و فقرا کے ساتھ حُسن سلوک، اور عامہ بنی آدم کی ہمدردی، اور بہت کچھ خیرات و صدقات کرتے ہیں۔

بہت بڑا خوشی کا دن جاپان کے سب سے اول شہنشاہ "جیمو"
کی تخت نشینی و تاجپوشی کی یادگار کا ہے
یہ شہنشاہ ۶۶۰ قبل مسیح میں سریر سلطنت پر بیٹھا تھا۔ یہ جشن
ہر سال ۸۔ مارچ کو ہوا کرتا ہے۔ ایک اور میلہ شہر ٹوکیو کی مملکت جاپان کا
پایہ تخت قرار دیے جانے کی یادگار میں کرتے ہیں۔ جو جلالتمآب متسوہیٹو
مکاڈو کے حال کے عہد میں واقع ہوا۔
یہ میلہ ہر سال دسویں اپریل کو ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ اسی تاریخ کو ۱۸۶۸ء
میں کیوٹو کے بجائے ٹوکیو تمام ملک جاپان کا پایہ تخت قرار دیا گیا۔ ورنہ اس سے
پہلے جیسا کہ اوپر میں لکھ چکا ہوں۔ جاپان میں دو دار السلطنتیں تھیں
ٹوکیو اور کیوٹو۔ اور ٹوکیو خاندان شوگن کا پایہ تخت تھا جو حکومت و سلطنت
پر قابض ہو کر شاہنشاہ جاپان کو شاہ شطرنج بنا چکا تھا اور ملک میں خونریزی
و بدامنی کا بانی مبانی ہوا تھا۔
ان کے علاوہ اور بھی اسی قسم کے دوسرے کئی میلے اور تیوہار
جاپان میں ہوتے ہیں جن کا ذکر فضول اور باعث طوالت سمجھ کر قلم انداز
کیا جاتا ہے۔

بلاد جاپان میں تعلیم کی حالت

اِس عنوان کے قائم کرنے سے ہمیں یہ بیان کرنا مقصود نہیں کہ
جاپانیوں کی ترقی تمدن اور شائستگی کی اصلی وجہ اُن کی قوم میں علوم و فنون
کی عام اشاعت اور موجودہ زمانہ کی تعلیم اور روشنی کا پھیل جانا ہے۔
اِس لیے کہ یہ تو ایک مانی ہوئی بات ہے جسے ہر سمجھدار اچھی طرح سمجھتا
ہے کہ علم ہی ہر قوم کی سعادت دینی و فلاحت دُنیوی کی جڑ ہے اور تمام
قومیں علم ہی کی بدولت ترقی کرتی ہیں بلکہ ہمارا مقصود یہ دکھانا ہے

کہ جاپانی قوم تعلیم کی کس قدر حامی اور تعلیم میں کیسی مستعد و سرگرم ہے اور نیز ہمکو اس مسئلہ پر روشنی ڈالنا منظور ہے کہ اس قدر جلد ایسی اعلیٰ تعلیم ان لوگوں نے کیونکر حاصل کی

سو برس پہلے جاپان میں بھی دیگر مشرقی اقوام کی طرح بالکل جہالت تھی، تمدن کا وہاں نام و نشان بھی نہ تھا..................

......لیکن ایکبارگی جو اُس نے اپنی جہالت و پستی کا ادراک اور علوم کی فضیلت اور تعلیم کی ضرورت کا احساس کیا تو تعلیم کی طرف اس طرح جھک پڑا جیسے کوئی نہایت بھوکا لذیذ کھانوں کو دیکھکر اُسپر گر پڑتا ہے۔

غرض مختلف علوم و فنون کے اسکول و مدارس تمام ملک میں قائم ہو گئے۔ اور ساری قوم تعلیم کی طرف متوجہ اور سرگرمی سے اُس کے حصول میں مشغول ہو گئی۔

تھوڑے ہی زمانہ میں جاپانیوں نے میدان ترقی و تمدن میں اتنا آگے قدم بڑھالیا جو کسی اور قوم سے اس تھوڑی سی مدت بلکہ اس کے دوگنے عرصے میں بھی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بیجا نہ ہوگا اگر ہم یہ کہیں کہ جاپان نے جو ترقی ایک دن میں حاصل کی وہ اور قوموں سے ایک ہفتہ میں ممکن نہ تھی اور جو اُس نے ایک ہفتہ میں کی وہ اوروں سے ایک مہینے میں دشوار تھی یا یوں کہو کہ دیگر اقوام نے جو ترقی ایک ہفتہ میں کی جاپان نے وہ ترقی ایک دن میں کرلی۔ اور جو اور قوموں نے ایک مہینے میں کی اُسے جاپانیوں نے ایک ہفتہ میں حاصل کرلیا۔ اور جو ترقیات دوسروں نے سالہاسال میں کی تھیں جاپانیوں نے چند ماہ میں کرلیں۔ حتّٰی کہ اسکی اس ترقی کو بعض لوگ گویا خرق عادت خیال کرتے ہیں۔

چونکہ قوم میں تعلیم پھیلانے سے غرض تہذیب نفوس و شائستگی

نے عقل و فہم سے آراستگی اور افراد قوم میں قومی و ملکی خدمات کی انجام دہی کی صلاحیت و مستعدی، پیدا ہوتا ہے نہ کہ صرف نام کے لیے تعلیم یافتہ بننا اور عملی کارروائی جو علم کا نتیجہ ہے کچھ بھی نہ کرنا۔

لہذا جاپانیوں نے قوم کی تعلیم کے ایسے طریقے جاری کیے جس کے ذریعہ سے تعلیم کے ساتھ ہی ساتھ نوجوانان قوم کے دلوں میں حُب وطن و حمیت ملکی و اتفاق و یگانگت باہمی کی بھی تخم ریزی ہوتی رہے گویا یہ امور بھی منجملہ علوم درسیہ کے وہاں قرار دیے گئے۔

جس زمانہ میں (مصری) اخبارات اس امر پر بحث کر رہے تھے کہ علوم جدیدہ کی تعلیم عربی زبان میں ہونی چاہیے۔ یا مغربی زبان میں؟ اور پبلک جلسوں میں اس مسئلہ پر گفتگو ہونے کے بعد خاص کمیٹی میں یہ بحث پیش تھی۔ اُسوقت میں نے ایک رسالہ لکھا تھا جس میں جاپان کی تعلیم و تربیت کے طریقوں کو بیان کیا تھا اور اُسے دفتر اخبار المؤید میں بھیجدیا جو ۱۸۔ اپریل ۱۹۰۸ء میں بطور ضمیمہ نمبر ۵۱۴۳ کے ہمراہ شایع ہوا اُسکا مضمون یہ تھا۔

"جو شخص جاپان کی ادبی و مادّی ترقیات کا ذکر کرتا ہے وہ یہی کہتا ہے کہ یہ ترقیات نتیجہ ہیں تحصیل علوم و فنون اور تعلیم کا جس کی طرف جاپان قریباً تیس سال سے اپنی پوری ہمت و کوشش اور دلچسپی کے ساتھ متوجہ و مصروف ہے۔ مگر جب اُنہیں کے اسقدر جلد ایسی اعلیٰ ترقی حاصل کرنے پر غور کیا جاسے جس کی اگلی یا پچھلی قوموں میں کوئی مثال نہیں ملتی تو نہایت ہی تعجب اور سخت حیرت ہوتی ہے۔ کیونکہ اس اعلیٰ درجہ کی ترقی کے لیئے جسے جاپان نے نہایت جلد حاصل کرلیا ہے پوری ایک صدی بھی کافی نہیں ہوسکتی۔

اسکی وجہ جہانتک خیال کی جاتی ہے یہ ہے کہ تعلیم کی طرف جاپان

سے کے ہر طبقہ نے توجہ کی اور بادشاہ و سلطنت اور رعایا کی متفقہ کوشش و ہمت اس طرف مبذول ہوئی لہذا وہ ملک اس قدر جلد ترقی کر گیا۔

لیکن درحقیقت اس حیرت انگیز ترقی کا بڑا سبب اُن کا طریقہ تعلیم ہے جو دلوں میں پورا اثر کرنے والا۔ اور تعلیم کے ساتھ عمل اور کام کرنے کا مادہ بھی پیدا کرنے والا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل جنگ روس و جاپان کے آخری زمانہ کا ایک واقعہ بخوبی کر دیتا ہے جسکو روسی اخبارات اور نیز دیگر ممالک کے اخباروں نے نقل کیا تھا۔ اور وہ واقعہ حسب ذیل ہے:۔

جنگ کے زمانہ میں کسی روسی اخبار کا ایک نامہ نگار جاپان آیا ہوا تھا۔ اُس نے وہاں کے بعض ابتدائی مدارس (پرائمری اسکول) کا معائنہ کیا اور مہتمم مدرسہ سے یہ خواہش ظاہر کی کہ میں طلبہ کو اُن کے کلاسوں میں درس کے وقت دیکھنا چاہتا ہوں۔

چنانچہ مہتمم مدرسہ اُسے مدرسہ میں لے گئے۔ پہلے وہ شخص جغرافیہ کے کلاس میں داخل ہوا۔ جغرافیہ کی پڑھائی دیکھکر وہ بہت خوش ہوا اور لڑکوں کی سعادتمندی و محنت اور ٹیچروں کے بہترین طریقۂ تعلیم کو نہایت استعجاب کی نظر سے دیکھا۔

اسی درمیان میں نامہ نگار موصوف کی نظر ایک نقشہ پر پڑی جو اور نقشوں سے خاص امتیاز رکھتا تھا کیونکہ اس میں چند جاپانیوں کے فوٹو بھی نظر آتے تھے۔ اُس نے قریب سے دیکھا تو وہ منچوریا اور کوریا کا نقشہ تھا جس میں وہاں کی آبادی، ویرانی، شہر، دیہات، بلندی، پستی، زراعتی زمین، وغیر زراعتی زمین، پہاڑ، دریا، ندی، جھیل، درخت، جنگل، نہریں، اور میدان وغیرہ ہر مقام کے تفصیلی نقشے اور فوٹو موجود تھے۔ اور یہ چند جاپانی جن کی تصویریں اس نقشہ کے

اندر ہیں وہاں اسی لیئے بھیجے گئے تھے تاکہ وہاں کے تمام مقامات کو اچھی طرح معلوم کریں چنانچہ انھوں نے منچوریا اور کوریا کے ہر حصۂ ملک کی مسافت اور پیمایش اور سطح آب سے اسکی بلندی و گہرائی وغیرہ کو ناپنے اور اندازہ کرنے میں بجد غور اور باریک بینی سے کام لیا اور ایسے نقشے تیار کیئے کہ اُن کے معائنہ سے گویا ہر طالب علم کی آنکھوں کے سامنے منچوریا اور کوریا کے ملک موجود ہو جاتے ہیں - اور اُنکی ایک چپہ بھر زمین بھی اُسکی نظر سے پوشیدہ نہیں رہتی ہے -

نامہ نگار مذکور جاپانیوں کی اس بہترین اختراع اور جدت و ذہانت کو دیکھکر دنگ رہگیا - گویا یہاں کے ٹیچران اسٹوڈنٹس سے بزبان حال کہ رہے ہیں کہ منچوریا و کوریا کے نقشے جو ہمنے تمھارے لیئے خاص طور پر تیار کر دیئے ہیں اس سے تمھیں یہ سمجھانا اور بتلانا مقصود ہے کہ ایسی سرزمینیں اور مقامات کو ہم عنقریب روس سے لڑکر چھین لینا چاہتے ہیں - مگر ہم نے اس غرض سے وہاں اپنی فوج روانہ کرنے سے قبل چند ہوشیار نوجوان وہاں بھیجدیے ہیں تاکہ وہ راستہ کے نشیب و فراز اور لشکر کے آمد و رفت کے راستوں سے خوب آگاہ ہو جائیں اور فوج کو نقل و حرکت میں کوئی خطر باقی نہ رہے تاکہ امن و امان سے وہاں پہونچ جائیں اور فتح و نصرت کے وسائل اُسپر آسان ہو جائیں -

اس کے بعد اُسنے دوسرے کلاس کا ملاحظہ کیا یہ نقشہ بنانے اور ڈرائنگ مشق کرنے کا کلاس تھا - اصل نقشے طلبہ کے سامنے رکھے تھے اور وہ اُن کو دیکھ دیکھ کر اسکی نقلیں کاپیوں پر اوتار رہے تھے -

نامہ نگار - لڑکوں کا امتحان لینے کے بجاے اُن نقشوں کی طرف متوجہ ہو گیا کیونکہ یہ نقشے بھی قریب قریب پہلے کلاس کے نقشوں کے سے تھے - ایک پورٹ ارتھر کا نقشہ تھا - نقشہ میں روسی و جاپانی فوجوں کی باہمی خونی

جنگ کا میدان سامنے نظر آ رہا تھا۔ جاپانی لشکر جان پر کھیل کر قلعہ پورٹ آرتھر میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔

میدان میں خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں۔ بندوقوں اور توپوں کے دہانوں سے آگ کے شعلے نکل نکل کر بلند ہو رہے ہیں۔ گرد و غبار کے ساتھ دھواں میدان میں بھر رہا ہے۔ اس منظر کو دیکھکر اُس شخص کی عقل حیرت میں آگئی اور اُس کا دماغ چکرا گیا۔ اُس نے اُسیوقت خیال کر لیا کہ اِس جنگ میں یقیناً جاپان کی فتح ہوگی اور پورٹ آرتھر روس کے ہاتھ سے نکل کر رہیگا۔

پھر اُس نے تیسرے کلاس کی سیر کی یہاں بھی گذشتہ دو کلاسوں کی سی حیرت خیز باتیں نظر آئیں طلبہ حساب و کتاب میں مشغول اور حسابی سوالات کے حل میں مصروف تھے۔ لیکن یہاں بھی جو حساب اُن سے نکلوائے جاتے اور جو سوالات اُنھیں حل کرنے کے لیے دیے جاتے تھے وہ جنگی اور فوجی ہی امور سے تعلق رکھتے تھے مثلاً سوال یہ ہوتا تھا کہ جاپانی فوج جسکی اتنی تعداد ہے، اتنے گھنٹوں میں اسقدر فیر کرتی ہے تو کس قدر بندوق کی گولیاں۔ ہر ایک سپاہی کے ہاتھ سے اتنی دیر اور اسقدر منٹوں کے فیر کرنے میں صرف ہونگی اور یہ کہ اگر اسقدر تعداد فوج کی ہو تو کس قدر گولیاں خرچ ہونگی۔ اور یہ کہ فوج اتنے عرصہ میں اسقدر مسافت طے کرتی ہے تو اتنی مدت میں کتنی مسافت طے کرے گی اور کس مقام سے کس مقام تک پہونچے گی۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ اور مقام جنگ کے نقشے اور ہر ایک مقام سے دوسرے مقامات تک کے طولِ مسافت کی تفصیلیں لڑکوں کے سامنے رکھی ہوتی ہیں۔

روسی نامہ نگار جاپانیوں کے تعلم و تعلیم کے یہ عجیب و غریب طریقے حیرت و استعجاب سے ملاحظہ کرنے کے بعد۔ ہیڈ ماسٹر سے یوں مخاطب ہوا۔

نامہ نگار:۔ ایسی کم عمر اور نوخیز بچوں کے دماغوں میں قدرۃً جس قدر قوت عقلیہ ودیعت ہوتی ہے وہ اِن کو اِس قابل نہیں بنا سکتی کہ ایسے عملی سیاسی اور قومی فوٹوؤں اور نقشوں سے جو اصلی غرض و مقصود ہے وہاں تک اُنکے دماغ پہونچ سکیں۔ اور یہ اُسے اسکو سمجھ سکیں۔

ہیڈ ماسٹر اسکول:۔ ہم لوگوں میں ایک مشہور مثل ہے کہ "الیابانی الصغیر یفعل فعل الرجل الکبیر" یعنی جاپانی لڑکے بھی اور قوموں کے بڑے بوڑھوں کے سے کام کرتے (بلکہ اُن کے بھی کان کترتے) ہیں۔

نامہ نگار شرمندہ اور اِن لوگوں کی اِس ترقی پر حیرت زدہ ہوگیا۔

ہیڈ ماسٹر:۔ ہم اِس طریقۂ تعلیم سے نوخیز جاپانیوں کے دلوں میں حب وطن پیدا کرتے اور وطن کی محبت اُن کے دل میں مستحکم کرتے ہیں کیونکہ ہم موجودہ اور آنے والی نسلوں میں ایسے محبان وطن پیدا کرنا چاہتے ہیں جو آیندہ چل کر ہماری قوم کے موجودہ محبان وطن کے منصب پر ممتاز اور اُن کے قائم مقام ہوسکیں۔

اِس کے بعد نامہ نگار موصوف وہاں سے رخصت ہوا اور اپنے اِس معائنہ کی کیفیت سے فی الفور ایک روسی اخبار میں لکھکر بھیجدی۔

اسیطرح جب میں جاپان میں تھا۔ ایک دفعہ میرا ارادہ ہوا کہ یہاں کے اسکول و مدارس اور معلمین و طلبہ کی تعداد۔ اور حکومت جاپان اپنی قوم کی تعلیم میں جس قدر خرچ کرتی ہے اُسکی مقدار اور یہاں کی تعلیمی حالت معلوم کروں۔ میں نے مسیو جازنیف سے اسکا تذکرہ کیا تو وہ فرمانے لگے۔

"میرا خود ارادہ ہورہا تھا کہ یہاں کی تعلیمی حالت کی آپ کو سیر کراؤں اور سررشتہ تعلیم کا معائنہ کراؤں"۔

چنانچہ ہم دفتر سررشتۂ تعلیم کی سیر کے لیئے چلے۔ جناب سید حسین

عبد المنعم بھی میرے ہمراہ تھے۔ دار النظارۃ - دفتر یونیورسٹی - ایک خوبصورت عمارت اور عالی شان مکان میں ہے۔ صدر دروازہ میں عجیب وغریب نقش ونگار اور صنعتیں ہیں جو اہل جاپان کی صناعی کا ایک ادنےٰ کرشمہ ہیں۔

جب ہم دروازہ سے گذرے تو سامنے بہت بڑا وسیع صحن نظر آیا جس میں رنگا رنگ کے عمدہ پتھر بچھے ہوے تھے اور صحن کی خوبصورتی اور رونق کو دوبالا کر رہے تھے۔

ہم بیسونارا و یری کے کمرے میں پہونچے جنکا عہدہ تقریبًا مصر کے سکرٹری محکمۂ تعلیم کے برابر ہے۔ ہمنے اُن سے کمرے کے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ اور کمرے اندر داخل ہوے وہ ہم سے نہایت خندہ پیشانی ہوکر مہربانی اور خوشی سے ملے جس سے اُن کے اخلاق کریمانہ اور آداب و تہذیب کا ثبوت ملتا تھا۔

بیسو موصوف نے ہم سے بہت شیریں کلامی سے مطلب خیز باتیں کیں اور ہماری کل بات چیت نہایت التفات سے سُنی۔ ہمارے اُن کے مابین ساری گفتگو جناب سید حسین صاحب کے ذریعہ سے ہوتی تھی کیونکہ درمیان میں ترجمان وہی تھے۔ مگر ہمیں تعجب یہ ہوا کہ باوجود اسقدر مہمان نوازی واخلاق کے مسٹر موصوف نے ہم لوگوں کے لیئے نہ قہوہ منگوایا نہ چاے بنوائی۔ اور نہ سگرٹ ہی پیش کیا جیساکہ دیگر مشرقی ومغربی قوموں کا دستور ہے لیکن ممکن ہے کہ اہل جاپان کا یہ دستور نہو اور یہ تکلفات یہاں اخلاق میں نہ شمار کیے جاتے ہوں۔ اور اُن کے لیئے یہ کوئی عیب یا اُن کے اخلاق کی کمی نہیں کہی جاسکتی۔ کیونکہ یہ باتیں محض رسمی ہیں ورنہ اصلی اخلاق محض خندہ پیشانی سے ملنا۔ عمدہ اور مفید دل خوش کن باتیں کرنا۔ توجہ سے ہر ایک گفتگو کو سُننا اور محبت سے پیش آنا ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم نے اپنا اصلی مطلب دسررشتہ ودفتر کا دیکھنا

ظاہر کیا۔ مسیو موصوف نے فوراً محکمہ کے ایک ملازم کو حکم فرمایا کہ وہ ہمیں جہاں جہاں ہم چاہیں۔ لیجائے۔ چنانچہ پہلے ہم ایک دفتر میں گئے جہاں پر تکلف فرنیچر اور ساز و سامان تھے۔ کرسیاں۔ میزیں۔ اور بنچیں جن پر عجیب عجیب نقش و نگار تھے۔ موقع موقع سے سجی ہوئی تھیں۔ یہاں احصائی (اعداد و شمار کے) رجسٹر اور دفاتر اور اُن کے محافظ و محرر رہتے تھے۔

ہم نے وہ رجسٹر طلب کیا جس میں تمام جاپان کے کل مدارس اور پڑھانے والوں اور پڑھنے والوں کی تعداد و شمار درج ہے۔ محافظ دفتر نے رجسٹر سامنے لاکر رکھدیا۔ اس رجسٹر کی ترتیب حسب ذیل جدول میں تھی

مدرسہ کا نام	طلبہ کی تعداد	کلاسوں اور کمروں کی تعداد	ٹیچروں اور ماسٹروں کی تعداد	مدرسہ کی نوعیت یعنی کس علم و فن کی پڑھائی ہوتی ہے اور کہاں تک ہوتی ہے

اور اس جدول کی تفصیل حسب ذیل تھی۔

(ملک جاپان) میں ۲۵ جامعۂ کبرائے (یونیورسٹی یا مشہور بڑے بڑے کالج) ہیں جہاں ہر قسم کے علوم و فنون پڑھائے جاتے ہیں۔ ۴۹ مدارس عالیہ (کالج) مختلف علوم و فنون کے ہیں مثلاً مدرسۃ الطب (میڈیکل کالج) مدرسۃ الحقوق (لا کالج) مدرسۃ المھندس خانہ (انجینرنگ کالج) مدرسۃ الزراعۃ (زراعتی و اقتصادی کالج) مدرسۃ المعلمین (ٹریننگ کالج) مدرسہ صیدلیہ (مدرسہ دواسازی و عطاری) مدرسۃ الولادۃ (مدرسہ دایہ گری) اور مدرسہ بیطریہ (ویٹرنری کالج) وغیرہ وغیرہ۔ ۵۲۳۶ ۔ بڑے بڑے مدارس صنعت و حرفت کے اعلیٰ و اول درجہ کے ہیں۔ اور ۵۲۵۱۰ ۔ دوسرے درجہ کے۔ ۱۲۶۵ ۔ مدارس تجہیزیہ (ہائی اسکول) ہیں اور تین قسم کے پرائمری اسکول (مدارس ابتدائیہ)

ہیں۔ درجہ اول کے پرائمری اسکول ۲۴۱۵۹ ہیں اور ۱۵۲۱۶ درجہ ثانیہ اور ۱۶۱۱۴ تیسرے درجہ کے۔

پس مجموعی تعداد جاپان کے کالج واسکول ومدارس کی ۱۱۹۹۹۴۳ ہے اور کل طلبہ کی تعداد مرد وعورت ملاکر ۰۷۵۴۶۸۸ ہے جس کے حساب لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ جاپانی مردوں میں کم ازکم ۸۵ فی صدی اور عورتوں میں ۷۵ فی صدی تعلیم پاتی ہیں اور ابتدائی مدارس کے ٹیچروں وماسٹروں کی تعداد ۹۲۲۸۴۴ ہے۔ اور دوسرے درجہ کے مدارس کے ٹیچروں کی تعداد ۱۴۱۲ ہے اور مدارس عالیہ کے ماسٹروں کی تعداد ۴۳۷۷ ہے۔

اب رہی یہ بات کہ حکومت جاپان سررشتہ ہائے تعلیم کے متعلق (سال میں) کس قدر خرچ کرتی ہے تو اُسکی کل تعداد اڑھائی لاکھ گنی ہے باوجودیکہ یہاں کے ٹیچروں اور ماسٹروں وغیرہ کی تنخواہ مصری معلمین ومدرسیں کی تنخواہ کا نصف بھی نہیں ہوتی ہے اور یہ کچھ حکومت کی زبردستی یا بخل نہیں ہے بلکہ خود وہ لوگ اپنے مشاہرے بہت ہی مختصر اور کم جو اوقات بسری کے لیئے کافی ہوں مقرر کرتے ہیں۔ اور نہایت قلیل تنخواہ پر قوم کی تعلیم اور وطن وملک کی خدمت گزاری شوق سے کرنا اپنا فرض منصبی سمجھکر انجام دیتے ہیں۔

چونکہ علوم وفنون کی ابتدائی ترقی اور تعلیم وشائستگی میں جاپان بھی یورپ کا شاگرد وخوشہ چین ہے اس وجہ سے ابتدا از اسکولوں کے ٹیچر وماسٹر اور دیگر تعلیمی محکموں کے افسر یورپین ہی ہوتے تھے۔ لیکن جب خود ان لوگوں میں تعلیم پھیل گئی اور بڑے بڑے کالج قائم ہوگئے جن میں ہر علم وفن کے اساتذہ وماہرین پیدا ہونے لگے تو انہوں نے یورپینوں کو آہستہ آہستہ کم کرنا شروع کیا اور اُن کی جگہ اپنے ہم وطنوں اور قوم کے تعلیم یافتوں کو جگہ دیتے گئے چنانچہ اب تمام مدارس جاپان میں سوائے جاپانی زبان کے ایک بھی یورپین ٹیچر اور ماسٹر نظر نہیں آتا۔ اور وہ اپنی اس حالت

پر نازاں ہیں کہ ہماری قوم بتمام دیگر مشرقی اقوام سے اس امر میں بازی لے گئی ہے کہ ہمارے اسکول یا کسی تعلیمی سررشتہ میں کوئی معلم لیکچرر پرنسپل یا پروفیسر وغیرہ ہو اپنی قوم کے دوسری قوم کا آدمی نہیں ہے۔ اور بے شک انھیں اس مفاخرت کا حق حاصل ہے کیونکہ علم کا ثمرہ اور تعلیم کا نتیجہ یہی ہے کہ قوم خود اپنے بل بوتے پر قائم ہو اور اپنی حضارت و تمدن اور دیگر ترقیات میں غیر قوموں کی محتاج و دست نگر نہ ہو۔

ایک دلچسپ اور عجیب و غریب مکالمہ جو ایک یورپین اور ایک جاپانی کے درمیان واقع ہوا اور جسے اخباروں نے بھی بہت ہی استعجاب سے نقل کیا تھا اور جو جاپان کی تعلیمی و صنعتی ترقی پر بوضاحت دلالت کرتا ہے ذیل میں درج کرتا ہوں۔

ایک یورپین رکونٹ کاتسورہ رئیس الوزرائے سابق سے اثنائے گفتگو میں جاپانیوں پر انتقادی نظر ڈالتے ہوئے "تعجب ہے کہ جاپان اپنے جنگی جہازات وغیرہ یورپ کے کارخانوں میں نہیں تیار کراتا اور نہ وہاں سے منگواتا ہے اگر وہ ایسا کرتا تو آج اسکی بحری قوت کم سے کم دول یورپ کی مشہور سلطنتوں میں سے کسی ایک سلطنت کے برابر اور ہم پلہ ضرور ہوتی"

کونٹ کاتسورہ۔ یہی اعتراض بجنسہ ہماری طرف سے یورپ پر ہے کہ وہ اپنے جنگی جہازات اور اسکا اسلحہ و سامان جاپان کے کارخانوں میں جن کی تعداد صدہا تک پہونچی ہوئی ہے کیوں نہیں تیار کراتا کیونکہ یورپ علوم و فنون و صنعت و حرفت کسی بات میں ہم پر کسی طرح کی فضیلت نہیں رکھتا۔

کونٹ موصوف نے اتنا ہی کہنے پر اکتفا نہ کیا بلکہ اس یورپین کو جاپان کے بڑے بڑے کارخانوں سے مطلع کیا جہاں جنگی جہازات اور اعلیٰ سے اعلیٰ اسلحہ و آلات بنتے اور ڈھالے جاتے ہیں اور جنگی

جہازات کے لنگر گاہ وغیرہ ہیں جسکو معلوم کر کے وہ حیران رہگیا کیونکہ جاپان میں ایسے ایسے کارخانوں کے موجود ہونے کا اُسے سان و گمان بھی نہ تھا۔

اِس کے بعد دونوں میں جنگ کے متعلق گفتگو ہوئی جسپر کونٹ کاتسورہ نے فرمایا "ہم جاپانیوں پر صریح ظلم ہوگا اگر کوئی یہ اتہام ہمپر لگاے کہ روس کے ساتھ جو ہماری جنگ ہوئی اُسکی بنا مذہب ہے یا کچھ بھی اِس جنگ کو مذہب سے تعلق ہے۔ یا اس جنگ کا سبب یہ بتاے کہ ہم اپنی قوم کو دوسری قوموں پر خواہ مخواہ ترجیح دیتے ہیں۔ ہرگز نہیں کیونکہ ہمارا تو اعتقاد یہ ہے کہ تمام انسان باہم ایک دوسرے کے بھائی اور ہر فرد بشر اپنی دنیاوی زندگی میں اپنے دوسرے بھائیون کی طرف ضرور محتاج ہے اس لیئے تمام مادی و ادبی (اخلاقی و تمدنی) فوائد و منافع صرف اپنی ہی قوم کے ساتھ مخصوص نہ کرنے چاہئیں بلکہ لازم ہے کہ ہر انسان ان فوائد و منافع کا دوسرے انسان سے بلا لحاظ قومیت و مذہب تبادلہ کیا کرے

یہ جنگ محض ملکی و سیاسی جنگ تھی۔ چنانچہ جس وقت ہماری گورنمنٹ نے روس سے جنگ کا اعلان کیا۔ ہم نے جاپان کے ہر مذہب کے مقتداؤن کو جمع کیا اور اُن سے فرمایش کی کہ وہ عام لوگوں کو اپنی تقریروں اور لکچروں میں سمجھا دیں کہ یہ جنگ محض سیاسی ہے اور نیز یہ کہ یہ جنگ فقط روس کے ساتھ ہے نہ کہ کسی اور سلطنت سے ۔

اور روس سے ہم نے جنگ کی تو اس کا محرک دراصل یہ امر ہوا کہ ہم نے روس کو منچوریا میں اپنا قدم جمانے کے بعد اب دوسری مشرقی سلطنتوں کے شکار کرنے کی گھات میں بھی دیکھا ہم اس خطرہ کے روکنے اور دفع کرنے پر مستعد ہوگئے اور ہم نے ملک و وطن کی حمایت کے لیئے اپنے جسم و جان کو وقف کر دیا۔ اور روس کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو کر بڑھے۔

کیونکہ روس کا مشرق کی طرف قدم بڑھانا اور منچوریا وغیرہ جیسے
مقامات پر اُس کا قبضہ کرلینا۔ تمام دول یورپ کے لیئے خطرہ کی بات تھی
اس لیئے کہ روس کے حرص و طمع کی کوئی ایسی حد نہیں ہے جہاں تک
پہونچکر وہ رُک جائے اور آگے قدم نہ بڑھائے ‘‘

کونٹ کاتسورہ کے اس کلام سے مدبرین جاپان کی روشن دماغی
اور سیاست دانی کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے اور یہ سب نتیجہ ہے علمی
ترقی کا جس کے حاصل کرنے میں اُن لوگوں نے اپنی تمام کوششیں صرف کیں
اور کر رہے ہیں۔

مذکورۂ بالا باتیں تو اُن کی تعلیم سے متعلق تھیں۔ لیکن اسیطرح
دیگر فنون مثل طب وغیرہ میں بھی اہل جاپان نے اعلیٰ درجہ کی ترقی کی ہے
جس سے ہم لوگوں کو سبق حاصل کرنا چاہیے۔

ہم یہاں پر طب کے ذکر میں جاپان کے دوا خانوں اور شفا خانوں کا
ذکر کرنا نہیں چاہتے بلکہ صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں۔ بلکہ صرف یہ دکھانا چاہتے
ہیں کہ جاپانیوں کو اپنی صحت و تندرستی کا کس قدر لحاظ و خیال ہے اور
اسی سے یہ بھی اندازہ ہوسکتا ہے کہ ڈاکٹری و طبابت میں ان لوگوں نے
اس قدر ترقی کی ہے جو دوسری قوموں نے نہیں کی۔

اہل جاپان نے ایک گولی ایجاد کی ہے جس کے استعمال سے ہیضہ
کی بیماری سے انسان محفوظ رہتا ہے۔ یہ گولیاں جاپان کے ہر طبقہ کے لوگ
استعمال کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ حکومت جاپان نے اپنی تمام فوج کے
لیئے اسکا استعمال لازمی کر دیا ہے۔ یہ گولیاں سردی کے لیئے بھی مفید
پڑتی ہیں۔ جو لوگ ان گولیوں کو کھایا کرتے ہیں وہ سخت سے سخت سردی
کو بھی بخوبی برداشت کر سکتے ہیں۔ اور موسم سرما اُنھیں کوئی تکلیف
نہیں پہونچاتا۔

جنگ روس کے زمانہ میں ہر فوجی سپاہی کے پاس ایک ایک ڈبیا ان گولیوں
کی ہر وقت موجود رہتی تھی اور ان کے علاوہ دوسری ڈاکٹری ادویات تقدم
بالحفظ کے خیال سے انکے ساتھ ہوتی تھیں۔ کیونکہ منچوریا کی آب و ہوا خراب
ہے خصوصاً جنگ کے زمانہ میں تو وہاں کئی ایک مہلک امراض پیدا ہو گئے
تھے۔ اسوجہ سے وہ ہر قسم کی بیماریوں کا علاج (جنکا انھیں خدشہ تھا) اپنے
ساتھ رکھتے تھے۔

ان گولیوں کے استعمال سے جاپانیوں کی صحت بہت اچھی رہتی
ہے اور جسم تندرست اور قویٰ صحیح ہوتے ہیں۔ اور فوج کا ہر سپاہی
ان گولیوں میں سے ۲۶ گولیاں روزانہ استعمال کرتا ہے اور خاص طوکیو
(پایہ تخت) میں یہ گولیاں روزانہ ۳۵۰۰۰۰ کے قریب خرچ ہوتی ہیں
دیگر مشرقی قوموں نے جاپان کی حالت اور اسکی حیرت انگیز ترقی
پر نظر کی تو انھیں بھی اپنی حالت درست کرنے کا خیال پیدا ہوا اور اپنی
قوم کے ہونہار نوجوانوں کو جاپان بھیجنا شروع کیا۔ تاکہ علوم و فنون
کی تحصیل کریں اور وہاں کے مدرسوں، کالجوں، اسکولوں اور صنعت
و حرفت کے کارخانوں میں تعلیم پائیں۔

چنانچہ اہل چین کی بہت بڑی تعداد جاپانی طالب علموں کے ساتھ
اسکولوں اور کالجوں میں تعلیم حاصل کر رہی ہے۔

ہندوستان میں بھی حیدرآباد دکن میں ایک کمیٹی اسی غرض کے
لیئے زیر صدارت و نگرانی جناب فاضل محترم مولوی عبدالقیوم صاحب
(مرحوم و مغفور) کے جو ایک نہایت معظم و محترم اور تجربہ کار بزرگ اور
موجودہ تمدن و تہذیب سے بھی بخوبی واقف تھے قائم ہوئی اور چندہ کی
ایک معتدبہ رقم بھی جمع کی جارہی تھی تاکہ کمیٹی جن لوگوں کو تحصیل تعلیم
کے لیئے جاپان بھیجے اُن کے سفرخرچ اور دیگر ضروری مصارف میں

وہی رقم خرچ ہو۔

ناظرین باتمکین۔ جاپان کی اس ترقی پر غور فرمائیں اور پھر میرے ساتھ ہوکر خلوص دل سے بارگاہ الٰہی میں یہ دعا کریں کہ خداوندکریم ہم مسلمانوں کی قوم کو بھی ترقی کی راہیں دکھائے اور وہ باتیں سمجھائے جو اس نے اس مہذب قوم (جاپان) کو سمجھائیں اور اُس نے روشن دماغ ہوکر علوم و معارف کے تکمیل و تحصیل میں بے انتہا کوشش اور نوجوانان قوم کی تعلیم میں پوری ہمت صرف کی اور اپنے اسکولوں اور کالجوں سے ایسے ایسے تعلیم یافتہ پیدا کیئے جو قوم کی اس حیرت انگیز ترقی کا باعث ہوئے اور جو اپنی قوم و ملک اور وطن کے لیئے مایۂ فخر مانے گئے۔

"مسیحی مشنریوں کی طرف سے گورنمنٹ جاپان کی ہوشیاری"

ہر۔ پولیٹکل معاملات میں دخل رکھنے والا جسکو یورپ کی سیاسی چالوں سے آگاہی حاصل ہے وہ خوب جانتا ہے کہ اہل مغرب نے مذہب کو اپنے سیاسی مقاصد کے لیئے ایک ذریعہ قرار دیا ہے۔ اور وہ مذہبی تبلیغ و اشاعت کے پیرایہ میں اپنی سیاست کا جال پھیلاتے ہیں۔ جاپان بھی اس سے آگاہ تھا۔ اور چین کا واقعہ اور بوکسر کی بغاوت اُسکے لیے بہت بڑا سبق تھی کیونکہ بوکسر کی بغاوت کی جڑ دراصل انھیں مشنریوں کی کثرت آمد و رفت اور ان کا تبلیغ و تبشیر میں حد اعتدال سے بڑھجانا تھا۔ جس سے چینیوں کو سخت تکلیف پہونچی اور آخر جو ہونا تھا۔ ہوا۔ اور یورپ نے اسی ذریعہ سے اپنی غرض حاصل کرلی۔ چنانچہ چین میں یہ گھس آئے بلکہ بعض حصہ زمین پر تسلط و قبضہ بھی کرلیا۔ جس کے قبضہ کی کوئی اور صورت بجز اس مذہبی

پیرایہ کے، ہرگز ممکن نہ تھی۔

حکومت جاپان نے جب اپنے ملک میں عام طور پر مذہبی آزادی دیدی، اور عیسائی مشنریوں کی جماعت یہاں آپہونچی تو یہ حضرات یہاں بھی بعینہ وہی طریقے عمل لانے لگے جو چین میں استعمال کرتے تھے۔

انھوں نے اپنی مذہبی تبلیغ و دعوت میں اعتدال کا طریقہ نہ برتا۔ اور وہ لوگ تمام جزائر جاپان میں پھیل گئے اور بہتیرے مدرسے جاری کردیے جن سے ظاہر ہوا تو وہ اپنا مقصود "تعلیم کا پھیلانا" بتلاتے تھے۔ لیکن حقیقت اور واقع میں وہ سیاسی دوکانداری تھی اور اُن کی زرپاشی اور بیدریغ روپیہ خرچ کرنا اس بات کو صاف بتلا رہا تھا کہ وہ کیا غرض رکھتے ہیں۔

جب گورنمنٹ جاپان نے دیکھا کہ یہ لوگ اُس روش اور انداز کے خلاف چل رہے ہیں جو اُن کے لیئے مناسب تھا تو باضابطہ سرکاری طور پر اُن کو فہمایش و تنبیہ کی۔ جو اخباروں میں بھی شایع ہوئی اس فہمایش کا خلاصہ یہ ہے کہ

"مشنریانِ مذہب مسیحی! جب تم ممالک جاپان میں آئے، اور مذہب عیسوی کی تعلیم و تبلیغ، اور علوم جدیدہ کی اشاعت، اور نوخیز لڑکوں کی تعلیم و تربیت کے لیئے مدارس کھولنے کی غرض ظاہر کی تو ہم نے تمھارے اس نیک ارادہ کو عزت کی نگاہ سے دیکھا اور بنی نوع انسان کے ساتھ تمھاری اس ہمدردی کا شکریہ ادا کیا اور تمھارا خیر مقدم کرکے تمھاکو رہنے سہنے، جان و مال کی حفاظت، اور امن و امان سے بسر کرنے اور اپنے اعراض و مقاصد کے پورا کرنے کا تمھیں پورا موقع دیا اور اُس کے کل ذرایع و وسائل مہیا اور آسان کردیے جیسا کہ ہر ایک ایسے مسافر و غریب الوطن کے ساتھ ہم لوگ کرتے ہیں جو اپنے بنی نوع و ابناے جنس کے افادہ و استفادہ کے لیئے یہاں آتا ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ چند ہی دنوں کے اندر ہم نے دیکھا کہ تم لوگ

حدِ اعتدال سے گذر گئے جس پر ہم نے تم لوگوں کو باضابطہ فہمائش کی، اور جس انداز و روش سے یہاں تمھیں رہنا چاہیے اُسے نوٹس کے ذریعہ سے تمھیں بتا اور سمجھا دیا بایں خیال کہ شاید تم لوگ ہمارے ملک کے اخلاق اور رسم و رواج سے واقف نہ ہو تو فہمائش و تنبیہ کے بعد۔ اگر ہم تمھارے ساتھ کوئی برتاؤ کریں تو تمھیں عدم واقفیت کا بھی عذر باقی نہ رہے گا۔ لیکن تم نے اس نوٹس کو پس پشت ڈال دیا اور ہمارے نوٹس پر متنبہ نہ ہوئے۔ لہٰذا اب گورنمنٹ تمھیں آخری تنبیہ و تہدید کرتی اور تمھیں حد اعتدال سے نہ بڑھنے کی فہمائش کرتی ہے۔ پس اگر تم نے ہمارے اس تہدیدی فرمان پر عمل کیا تو فبہا۔ ورنہ یاد رکھو کہ یہاں بھی وہی تمھارے سامنے آئے گا جو ملک چین میں پیش آیا تھا۔"

اس نوٹس اور ہدایت نامہ کو پڑھکر اور اس کے طرز و انداز پر غور کرنے کے بعد بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے۔ کہ عیسائی مشنریوں نے بلاد جاپان میں کس قدر کشمکش پیدا کی اور کس درجہ حد اعتدال سے باہر نکل گئے تھے۔ جاپان پر کیا موقوف ہے ہر جگہ ہی ان لوگوں کا یہ قاعدہ ہے کہ جو قوم سوء تدبیری اور غفلت میں غرق ہو اور اپنے نفع و نقصان کا اندیشہ نہ کرے یا جس قوم پر کچھ بھی اُنکی کارستانی چل سکتی ہے اُس کے ساتھ وہ جو کچھ چاہتے ہیں کر لیتے ہیں۔

کیونکہ ان مشنریوں کا (شاید) یہ خیال ہے کہ جو قومیں مذہب مسیحی کی پیرو نہ ہوں۔ اگرچہ وہ تعلیم یافتہ و متمدن ہی ہوں۔ لیکن یہ اُن کے ساتھ جو کچھ (ظلم و ستم، بھلائی و برائی) چاہیں کر سکتے ہیں اور وہ تمام بیجا کارروائی بجا ہے۔

بلاد جاپان کی سیر

شہر ٹوکیو میں دو ہفتہ قیام کرنے کے بعد ہمارا ارادہ جاپان کے بعض شہروں کی سیر و سیاحت کا ہوا اور جناب حاجی مخلص محمود اور جناب سید حسین عبد المنعم نے میری رائے سے موافقت فرمائی چنانچہ شہر کیوٹو جانے کی رائے قرار پائی جو کہ جاپان کا قدیمی دار الحکومت ہے۔ آب و ہوا کی عمدگی، صفائی، شہریت اور ترقی تمدن، اور بکثرت خوبصورت سیرگاہوں پر حاوی ہونے کے اعتبار سے ٹوکیو کے بعد یہ شہر جاپان کے اور تمام شہروں سے ممتاز ہے۔ ٹوکیو سے کیوٹو تک اندازاً چھ گھنٹے کا ریلوے سفر کرنا ہوتا ہے

ہم میل ٹرین پر روانہ ہوئے۔ راستہ میں سڑک کے دونوں جانب دیکھتے جاتے تھے۔ بڑے بڑے جنگل، مختلف اقسام کے درخت، اور لہلہاتی ہوئی چمن پر سبز گھانس کا سندسی فرش بچھا ہوا تھا دیکھیں کاشتکار کاشتکاری کرتے اور ہل چلاتے ہوئے دکھائی دیے اور اسی قسم کے دیگر خوش آیند منظر جن سے آنکھوں کو طراوت اور دل کو تازگی حاصل ہوتی تھی نظر آئے۔

چونکہ مسافروں کی عادت ہے کہ ایک دوسرے سے مختلف گپیں اور ادھر اُدھر کی باتیں کرکے سفر کی مسافت طے کرنے میں دلچسپی پیدا کر لیتے ہیں۔ اس لیے ہم لوگ بھی باہم باتیں کرتے رہے۔ حاجی مخلص محمود نے اپنے وطن "روس" کے حالات بیان کیے۔ وہاں کی مطلق العنان گورنمنٹ کے رعایا پر وہ وہ مظالم اُن کی زبانی سُننے گئے جو عہد رومانین کے سوا اور کسی زمانہ کی نسبت سُننے میں آئے تھے۔ خصوصاً مسلمانوں پر جیسے جیسے ظلم روس میں ہوتے ہیں وہ آنسو کے بجائے آنکھوں سے خون بہانے کے قابل ہیں۔ اُن کی حالت زار پر نہایت افسوس ہوا اور ان کے درد بھرے مصیبت کے واقعات سُنکر دل پر سخت چوٹ لگی۔

تمام واقعات کی جو روس میں مسلمانوں پر سخت سے سخت مظالم

ہونے کے متعلق اخبارات نقل کرتے رہتے ہیں۔ مجھے حاجی مخلص محمود
بیان سے اُن کی تصدیق ہوگئی۔ اُن کے بیان کا ماحصل یہ تھا کہ روسی حکو
اپنی مسلمان رعایا کے ساتھ قابل تعریف اور عادلانہ سیاست سے ہر
کام نہیں لیتی۔

مسلمان رعایا پر ٹیکس بہت زیادہ مقرر کیا گیا ہے اور بمقابلہ
کے مسلمانوں سے دوچند مالگزاری وصول کیجاتی ہے۔ وہاں کے مسل
اپنی اولاد کی تعلیم کے لیے کوئی مدرسہ اپنی اصلی زبان کا قائم کرنا چاہ
تاکہ اُسی زبان میں وہ تعلیم و تربیت حاصل کریں تو حکومت اُن پر تشدد کرتی
سوائے روسی زبان کے کسی اور زبان کے مدرسے جاری کرنے نہیں دی

حاجی مخلص محمود اسی قسم کی مصیبتوں کا ذکر فرما رہے تھے اور
اُن کے چہرے سے رنج و غم کے آثار نمایاں تھے۔ اور ہم اُنھیں باتو
میں بہلا کر اُن کا صدمہ دور کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ سید س
چینی بھی اُن کی تسکین خاطر میں میرے مُعین رہے۔

اسی گفتگو میں کئی اسٹیشن طے ہو چکے اور ہمیں بھوک معلوم ہونے
روٹی اور مچھلی کھانے کی خواہش تھی جو دستیاب نہ ہو سکی۔ دیر کے بع
کسی اسٹیشن پر چند کھانا بیچنے والے نظر آئے اُن کے پاس کچھ چھوٹے
لکڑی کے ڈبے چوبی صندوقچوں کی ہمشکل تھے اُن ڈبوں کا حجم آٹھ انچ کے
تھا اور وہ اُن کو بیچ رہے تھے۔

ہم لوگوں نے سمجھا کہ ضرور ان ڈبوں میں کوئی کھانے کی چیز ہے
چھ ڈبے یعنی فی کس دو دو ڈبے خرید لیے۔ ہر ڈبہ کی قیمت ...
اُن کو کھول کر دیکھا تو ہر ڈبہ کے اندر ایک خانہ میں نہایت خوش
تھا۔ اور اُس کے اوپر ایک ٹکڑہ تلے ہوئے انڈے کا رکھا تھا۔
طرف ایک روٹی کا ٹکڑہ۔ اور تیسری جانب زیتون کے تیل

علا کا ایک کنلہ اور کچھ سبزیاں (ترکاریاں) جن کے نام معلوم نہیں ہو سکے
تھیں نیچے کے خانہ میں تھوڑے سے چنے بڑے بڑے دانوں کے ابلے
شہد و مرچ ملے ہوئے پائے۔ اُس چوبی نعمت خانہ کو اتنے نفیس و لذیذ
حصوں کا مجموعہ پاکر ہم بیحد مسرور ہوئے۔ اہل جاپان ان ڈبوں کو بنتو کہتے ہیں۔
کی راستے ایسا عمدہ کھانا ملنے پر خدائے تعالے کا شکر ادا کیا اور جاپان کی ایک
عمدگی ہنر سے بھی واقفیت حاصل کرلی جسے ہم اب تک بالکل نہیں جانتے تھے
چاوی پائیوں کا چمچہ ایک عجیب چیز ہے جس سے وہ چاول کھاتے ہیں۔ یہ لکڑی
سے پتیلیاں ہوتی ہیں جو دائیں اور بائیں ہاتھوں میں الگ الگ پکڑی جاتی ہیں۔
لی دائیں ہاتھ میں ہوتی ہے وہ مجوّف اور چوڑی ہوتی ہے اور بائیں ہاتھ والی
س سے چھوٹی اور کم چوڑی ہوتی ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ بڑے چمچہ میں چاول
بھر دیے۔ انہیں دونوں پتیلیوں کے ذریعہ سے بہت جلد اور بآسانی تمام
اپان چاول کھالیتے ہیں۔

قصہ کہ ہم لوگ ایک ہی ایک ڈبے کے کھانے میں آسودہ ہوگئے۔ اور باقی تین
ہونی بچ رہے۔ ہم خوب کھاپی کر آرام بیٹھے اور ٹرین آگے چلی کچھ دیر بعد ٹرین
سے مقام میں پہونچی جہاں ہر طرف پانی ہی پانی نظر آتا تھا۔ گویا ایک جھیل تھی۔ اور
اوس کے وسط اور دونوں کناروں کی زمین سبز گھاس اور دیگر روئیدگیوں سے
کر رہی تھی معلوم ہوتا تھا کہ رنگارنگ کے نقش و نگار کا ایک نہایت عمدہ فرش
موجود ہے، جس کے بنانے والے نے بہت بڑا کمال اور عجیب صناعی دکھائی ہے
گورنمنٹ اس پُرآب و سبز میدان کے اردگرد پہاڑ تھے جنھوں نے خود رو درختوں
کے سوا ایوں کا سبز لباس پہن رکھا تھا۔ ان پہاڑوں کا خوشنما منظر قابل دید
پر جیسے ہی نظر اُن پر جاکر واپسی کا نام نہیں لیتی تھی۔

خون بہالنے وں پر جابجا درختوں کے جھنڈ میں ان بت پرستوں کے قدیم عبادت خانے
ان کے درد کے تھے جو اس ملک میں آباد ہیں۔

جھیل سے قریب ہی ایک بڑا اور خوبصورت شہر النسونا سے آباد تھا
ہے کہ ہم وہاں اُتر نہ سکے - یہ جھیل جغرافیہ اور تاریخ کی کتابوں میں بھی مذکور
کیونکہ یہاں بڑے بڑے شعراء، انشا پرداز، اور فلاسفر سیر کے لیے آ
اپنے خیالات کے گھوڑے اس میدان میں دوڑاتے اور بندش
وانشا پردازی و خیالات شعری میں یہاں کے سماں اور سین کا نقش
کرتے ہیں - اسی وجہ سے جاپانی تاریخ کے صفحات نے اِس کے نام
محفوظ رکھا ہے اور اس جھیل کے پلوں اور گھاٹوں کے نام و نشان

تواریخ میں درج ہیں -

یہاں سے آگے بڑھکر ٹرین کا گذر دوسرے وسیع اور زائد گہری
میں ہوا - اس جھیل کی ملحقہ زمین پہلے دیکھی ہوئی زمین سے بھی زیادہ سبز
چھوٹے بڑے، خوشنما درختوں اور سبزہ زار کے بوقلموں فرش کا دلک
دیکھتے اندازاً - ۱۵ میل کی اور مسافت طے کر کے ہم قصبہ آوا وسکا میں

یہ شہر دریائے آوا وسکا پر واقع ہے اور یہاں کئی خلیجیں باہم
جو کہ قاہرہ کی خلیج سے مشابہ ہیں - اس دریا میں ایک چھوٹا سا جزیرہ
ہے اور اُس میں ایک مستحکم اور عظیم الشان مندر بنا ہے - مندر گذ
کے قدیم بت پرستوں کا تعمیر کردہ ہے اُنھوں نے اپنے معبود وا
سطے اِس کو بنایا تھا - یہ جزیرہ اور مندر بالکل جزیرہ اُنس الوجود سے
ہے جو کہ مصر کے دریائے نیل میں اصوان کے نزدیک واقع ہے -

شہر آوا وسکا ایک مشہور شہر ہے جس کا ذکر تاریخ جا
موجود ہے - کیونکہ یہ تاجدار "سیکون" کا دارالسلطنت تھا -
جاپان کا ایک زبردست فرمانروا تھا - اور اس نے ملک کے
سطوت کا سکہ جمایا اور اُسکو اپنا مطیع و منقاد بنایا
جاپان کے مشہور بادشاہوں میں سے تھا -

لیے ایک مضبوط عالی شان بُرج بنا دیا گیا ہے۔

تمام خوشنما مناظر نہایت فرحت بخش تھے۔ اور ہم آپس میں ہنستے
شعر و شاعری کے تذکرے اور دلچسپ باتیں کر رہے تھے۔
دسی حکومت کا آدمی ہمیں متعجبانہ نگاہ سے دیکھتے تھے کہ یہ بیگانہ اشخاص کہاں سے
آ رہے ہیں۔ اُن کی حیرت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ میں اور میرے رفقاء سب
کی طرز کی پوشاک پہنے تھے جو نہ صرف اہل جاپان کی پوشش سے
پالکل باہم بھی مختلف۔

اس سفر میں جن عجائبات کی ہم نے سیر کی اُن میں سے ایک وہ
تھا جس پر ہو کر ہماری ٹرین نے جھیل کو عبور کیا۔ قبل اس کے کہ ٹرین
اس مقام تک پہونچے جہاں پل بنا تھا۔ ہم نے دیکھا کہ وہ نہایت مضبوط ستونوں
پر ویسے بہت بلندی پر معلّق تھا۔ مگر جس وقت ٹرین اس کے نزدیک
پاپانہ وہ پل فوراً اتار کر سڑک کے ساتھ ملا دیا گیا۔ اور ریل اُس پر
ہم لوگ تو پھر بدستور اُٹھا کر بلند کر دیا گیا۔
ہوتی تھی جس سے جاپانیوں کی صنعتی ترقی اور اُن کے علوم و فنون کی وسعت
مقام کیا جا سکتا ہے کہ وہ آج کس درجہ پر پہونچے ہوئے ہیں۔

شہر کیوٹو

جب ہمارا سفر ختم ہوا اور ہم شہر کیوٹو میں پہونچ گئے، اس شہر کے
اور اس کے اطراف و جوانب میں بہت سے پُرفضا باغات
موجود ہیں۔
اُن پر کا انتظام بہت اچھا ہے۔ سڑکیں وسیع ہیں۔ آب و ہوا
سے یہ شہر ایسے موقع پر واقع ہے جس نے
تھے جو اس ملک میں دیے ہیں۔ یہاں کے صنعتی کارخانوں اور
ام واقعات

فیکٹریوں کی تعداد صدہا تک پہونچی ہوئی ہے۔
شہر ایک جھیل کے کنارے پر آباد ہے۔ جھیل کے کناروں پر سبزگھ
کے میدانوں میں مختلف رنگ کے چھوٹے بڑے درخت بافراط موجو
یہ درخت کچھ ایسا پرلطف منظر پیدا کرتے ہیں کہ اہل جاپان کا اس شہر کو
الپایان (جاپان کی جنت) کہنا بالکل حق بجانب ہے۔
اگر مہذب اور اعلیٰ درجہ کے با اخلاق اصحاب کو فرشتہ یا فرشت
کہنا صحیح ہے تو کیوٹو کے باشندے اس لقب کے سب سے زیادہ
مستحق بلکہ اُن لوگوں میں جن کو ایسا لقب ملا ہو سب سے افضل و اعلیٰ
ہیں۔ آداب اور تہذیب و اخلاق میں عموماً یہ اپنی آپ ہی نظیر ہیں۔ اور مہ
نوازی اور غریب الوطنوں کے ساتھ بلطف تمام پیش آنے میں ان کی خاص
حالت دیکھی جو دوسری جگہ کم نظر آئی۔
سب سے زیادہ جس چیز نے میری نظروں کو اپنی طرف مائل کیا
کی پولیس کی تہذیب و خوش اخلاقی تھی۔ یہاں کی پولیس سے اگر تم
یا جگہ کا پتا دریافت کرو یا راستہ پوچھو تو اگر وہ جگہ قریب اور اس کی
اندر ہے تو وہ خود تمہارے ساتھ چل کر جہاں تک جانا چاہو وہاں پہو
اور اگر فاصلہ پر واقع ہے تو وہ تمھیں اُس پولیسمین کے پاس
دیگا جو اُس مقام کے قریب ہو۔ اور پھر یہ دوسرا کانسٹبل تمکو تیسر
پاس اور تیسرا چوتھے کے پاس پہونچاتا رہے گا۔ یہاں تک کہ
تم منزل مقصود تک پہونچ جاؤ گے۔
ہم لوگ کیوٹو کی سڑکوں پر اور اُس کے بازاروں میں
تو چونکہ ہمارے لباس و پوشاک اور وضع و قطع سے عموماً
وناآشنا تھے۔ اس لئے اُن کی نظریں ہماری ہی طرف
بار غور سے ہمیں دیکھتے تھے۔ ایک دو

...احب سے ملاقات ہوئی اُنھوں نے نہایت خلوص اور گرمجوشی سے
...محمود ... لیج وگوں سے مصافحہ کیا۔ لیکن گفتگو ایسی زبان میں کی جسے سوائے جناب
...حکو... سلیمان چینی کے ہم میں سے کسی نے بھی نہ سمجھا۔ اُنھوں نے اپنی زبان
...یا کہ " میں ایک ہندوستانی مسلمان ہوں۔ تجارت کی غرض سے یہاں
...ں اور مجھے اپنا وطن چھوڑے اور پردیس میں آئے ہوئے سات برس
...ئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں کو چائے کی دعوت دوں۔ اگر آپ میری
...ں درخواست کو قبول فرمائیں تو میری عزت ہوگی کیونکہ فقط مذہبی رابطہ
مجھکو آپ کی طرف کھینچا ہے۔ اور ہمارے اور آپ کے مابین ایک
...شش پیدا کی ہے۔ میری تمنا ہے کہ تھوڑی دیر آپ حضرات کی
...ہم دیجیے ... سے فائدہ اُٹھاؤں اور لطف صحبت حاصل کروں گا۔

...با ... گوں نے اُن کا شکریہ ادا کیا اور اُن کی مذہبی حمیت و غیرت کی
...قسم کے ہم لوگ اُن کے مکان پر حاضر ہوئے۔ اور اُنھوں نے چائے پیش کی
ہوئی تھی ... اور دیر تک اُن سے اِدھر اُدھر کی گفتگو ہوتی رہی۔ پھر تھوڑی
...سے مقام ... رخصت ہوئے اور اُنھوں نے وعدہ فرمایا کہ اگر اُنھیں اپنے
...سے فرصت ہوئی تو ٹوکیو میں بھی ہم سے ملاقات کرنے آئیں گے
...شخص اسلامی آداب و اخلاق سے آراستہ و پیراستہ تھا۔
...ہے کہ کاروبار نے اُنکو اتنی فرصت نہ دی کہ وہ دوبارہ ٹوکیو
ملتا۔

... ٹوکیو میں ایک رات دن قیام کیا اور پھر [illegible] اسلامی
...سے ... اُن ... گئے

...ن کی واپسی

... دن پر جا کر ...
... دور ... چاہا ... تک ...
... گردش ... زمانہ سے لئے اُس ...

ے ملک سے دور و دراز مقام پر پہونچا دیا ہو اپنے وطن کی طرف فطرتی [illegible]
کشش اور شوق رکھتا ہے اور اس بات کا اندازہ میں ناظرین پر
دل پر چھوڑتا ہوں۔

میں جس غرض و مقصد سے اپنا ملک اور وطن چھوڑ کر جاپان آیا تھا
جب اس میں ایک حد تک کامیاب ہوگیا تو اب [illegible] وطن [illegible]
جاپان کا آب و دانہ اچھا معلوم نہ ہوتا تھا۔ دل و دماغ میں مختلف [illegible]
اور اپنے کاروبار اور دیگر تعلقات کے جو اس دنیاوی زندگی میں [illegible]
کے لیے لازم ہیں۔ خیالات پیدا ہونے لگے۔ لیکن مجھے اس [illegible]
تشفی و تسلی ہوتی تھی کہ میں نے یہ سفر محض دینی خدمت انجام [illegible]
اختیار کیا تھا اور یہ مشقتیں اشاعت دین کے مقدس فرض کو پورا [illegible]
میں اٹھائی ہیں۔

غرضکہ بلاد شمس مشرقہ (جاپان) میں ایک ماہ سے [illegible]
کرنے اور کامیابی کا پیارا چہرہ دیکھنے کے بعد وطن کی واپسی [illegible]
میرے تونسی رفیق بھی ساتھ چلنے پر آمادہ تھے۔ جاپانی دوستوں [illegible]
نے خصوصاً ان حضرات نے جو ہمارے ہاتھوں پر اسلام قبول [illegible]
یہ سنا کہ ہم اب وطن واپس جاتے ہیں تو وہ سب ہماری روانگی [illegible]
رخصت کرنے تشریف لائے اور ہماری مفارقت پر رنج و ملال [illegible]
کیا۔ وہ چاہتے تھے کہ میں ابھی کچھ دن اور بھی رہوں۔ لیکن [illegible]
سے معذرت کی اور معقول وجوہ پیش کرکے ان [illegible]
موقع دیا تو میں آپ لوگوں کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہونا
غنیمت سمجھونگا۔

میری روانگی [illegible] مسٹر جانسن اور [illegible]
[illegible] کے برادر [illegible] معیت میں تشریف [illegible]

کے چہروں سے رنج اور تاسف کے آثار نمایاں تھے۔ اور اس وقت
کی حالت ہمکو ان لوگوں کے پختگی اسلام اور سچے دل سے مسلمان ہونے کا
یقین دلا گئی۔

اسٹیمر کی روانگی اور اُس کا لنگر اُٹھانے کا وقت آیا تو ہم نے ان صاحبوں
نہایت افسوس کے ساتھ خدا حافظ کہا اور وہ باچشم پُر آب ہم سے
ہی مصافحہ کرکے واپس گئے۔

ایک مہینہ دو دن کے بعد میں نے جاپان کو چھوڑا تھا۔ اس زمانہ
میں جاپانی ترقی یافتہ قوم کے وہ وہ حالات و عجائبات میں نے دیکھے جنکا
گمان بھی نہ آتا تھا۔ اور بفضل خدا میں نے وہاں جو کچھ خرچ کیا وہ سب
میں اُسی کا عطیہ تھا۔ اور شکر ہے کہ اُس نے مجھکو اپنی جیب خاص سے
اس نیک کام میں خرچ کرنے کی توفیق دی۔

میں نے اپنے اس سفر میں مصر یا اُس کے سوا دوسرے ملکوں میں
یا بھی کسی سے ایک پیسہ تک کا سوال نہیں کیا تھا۔ اور نہ کسی سے کچھ
بلکہ جو کچھ صرف ہوا وہ خالص میری جیب اور اپنی کمائی کا پیسہ تھا۔
والحمد للہ علیٰ ذلک

علامہ سیاح جاپان سے چینی جہازران کمپنی کے ایک جہاز پر
وطن ہوئے تھے۔ اکیس دن کے بعد وہ جہاز کلکتہ پہونچا۔
آپ نے کلکتہ میں کئی دن قیام فرماکر یہاں کے بعض معززین سے
ملاقات کی خصوصاً اپنے دلی دوست امام مسجد ناخدا سے ملے جو اُن کے
محسن بھی ہیں۔ اور پھر [illegible] الغرض مصر کی طرف روانہ ہو گئے۔

لہذا اسکی پڑتال کا کام میں نے مولوی محمد حلیم صاحب انصاری مترجم عربی دفتر وطن لا
کیا۔ جنہوں نے اسے نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیا۔ عبارت سلیس اور عا
اور مطالب میں کوئی پیچیدگی باقی نہیں رہی۔ سفرنامہ میں جاپان کے علاوہ اور
کے حالات بھی درج تھے۔ لیکن انکو بیکار سمجھ کر ترک کر دیا گیا۔ صرف جاپان کے حا

خاکسار محمد انشاء اللہ عفی عنہ مالک حمیدیہ ایجنسی و حمیدیہ پ

ستمبر ۱۹۰۸ء

ایڈیٹر انہ

الحمد للہ کہ خاکسار حسن غفر لہ ذوالمنن نے اس ترجمہ کو اجمیر شر
بتقریب عرس حضرت خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ حاضر ہوا تھا۔ ۲۰ رجب
روز پنجشنبہ مطابق ۲۰ اگست ۱۹۰۸ء کو ختم کیا۔ دعا ہے کہ خدائے ذو
بطفیل روح مبارک حضرت خواجہ خواجگان سیدی خواجہ معین الدین حسن
قدس اللہ تعالیٰ اقدسہ و طیب رمسہ کے اس کتاب کو قبول فرمائے۔ اور قو
قبولیت بخشے اور مسلمانوں کے لئے مفید کرے۔ آمین والسلام۔

خاکسار حسن پھلوارو